وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی
سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو

حبل اللہ

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى

فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ

"ہاں جو شخص اپنے عہد کو پُورا کرے اور تقویٰ
اختیار کرے تو اللہ متّقیوں کو پسند کرتا ہے۔"

(آل عمران ۷۶)

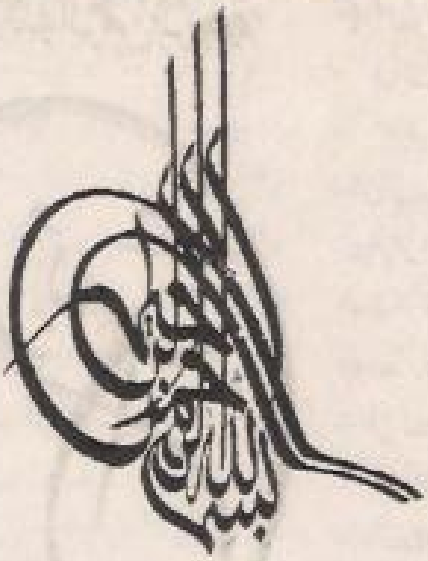
الہامی ادب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿﴾ فَاِنۡ زَلَلۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡکُمُ الۡبَیِّنٰتُ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿﴾

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔ پھر اگر واضح نشانیوں کے آجانے کے بعد (راہِ حق سے) تم لڑکھڑائے تو جان رکھو کہ اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔" (البقرۃ ۲۰۸-۲۰۹)

حبل اللہ



مجلہ نمبر ۱۹ - جنوری ۱۹۹۹ء

مدیر: محمد اعظم خان

نائب مدیر: انیس الدین

اس شمارے کے مضامین

۱۔	حدیثِ دل	اداریہ	صفحہ نمبر ۲
۲۔	ماہِ صیام	منور سلطان	۴
۳۔	سلیمان علیہ السلام	سعید احمد	۱۷
۴۔	علی ہجویری: کشف المحجوب کے آئینے میں	عبد الرؤف	۲۳
۵۔	ایمان کے تقاضے	ام سارہ	۳۱
۶۔	خباب بن الارت رضی اللہ عنہ	خرم نسیم الدین	۳۷
۷۔	قافلہ ہے رواں دواں	شکیل الرحمن و کیپٹن ارشد	۳۹
۸۔	سلسلۂ سوال و جواب (ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی)	انیس الدین	۴۵

یہ مجلہ بلا قیمت تقسیم کیا جاتا ہے

تحریکی ساتھیوں سے اپیل: تحریک کو جاری رکھنے اور حبل اللہ کی اشاعت کو ممکن بنانے کے لئے حسب توفیق مالی تعاون ضرور فرمائیں

مقام اشاعت

مرکزی دفتر: مسجد توحید آر۔ حی ریلوے کوارٹرز
پوسٹ بکس نمبر ۱۰۰۸۔ کیماڑی۔ کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ



حکیم و دانا رب ذوالجلال کی قدرت کاملہ کا یہ کیسا عظیم کارنامہ تھا اور بلاشبہ تاریخ انسانی کا روشن ترین باب، جس کا آغاز اس طرح ہوا کہ روئے زمین پر بسنے والوں میں پست ترین قوم اور بے حیائی و فحاشی سے آلودہ دنیا کے بدترین معاشرے میں ایک اعلیٰ ترین اخلاق اور پاکیزہ ترین سیرت و کردار کا حامل پروان چڑھتا ہے اور اس کو منصب نبوت پر فائز کئے جانے کے بعد حکم ملتا ہے:

قم فانذر

"اٹھو اور لوگوں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈراؤ۔" (المدثر ۲)

یہ کوئی معمولی پکار نہ تھی۔ بلاشبہ یہ دنیا کا اہم ترین کام اور مشکل ترین مہم تھی کہ لوگوں کے سامنے اللہ کے سچے دین کی دعوت کھول کر پیش کی جائے اور ان کو آخرت کی ہولناکی سے ڈرایا جائے۔ داعی حق کو اپنی قوم میں اجنبی بن جانا پڑتا ہے، شدید ترین نفسیاتی دباؤ کے علاوہ بے پناہ مخالفتوں اور ایذاؤں کو صبر و تحمل اور خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لئے انتظار جیسے کا صبر، عزم و حوصلہ، اعلیٰ ترین اخلاق فاضلہ اور بے مثال قوت برداشت ناگزیر ہے۔ چنانچہ اس منصوبہ ربانی کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے داعی حق کو تربیت کے انتہائی مرحلے سے گذارا جاتا ہے۔ سورۂ مزمل اس کا خلاصہ پیش کرتی ہے۔ نبی ﷺ کو حکم ہوتا ہے:

قم اللیل ... و رتل القرآن ترتیلاً (المزمل ۲ تا ۴)

"اٹھو اور قیام میں رہو رات کا تھوڑا حصہ، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دو یا اس پر کچھ بڑھا دو اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔"

پھر اس کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً (المزمل ۵)

"ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں۔"

یعنی ایک بڑی ذمہ داری آپ پر عائد کی جارہی ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ اس ذمہ داری کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں۔ رات کو اٹھ کر قیام اللیل کرنا، صلوٰۃ میں قرآن عظیم ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرنا، آیات پر غور و فکر کرنا اس تربیت کا ایک حصہ ہیں کیونکہ

ان ناشئة اللیل ھی اشد وطئا و اقوم قیلا

(المزمل ۶)

"رات کا اٹھنا نفس کے لئے بہت ہی موثر ہے۔"

رات کی تنہائی میں اللہ کا ذکر قلب و ذہن کے سکون اور دلجمعی اور اوصاف کی بالیدگی کا ذریعہ ہے۔

اس عظیم مشن کے حامل داعی حق علیہ السلام کو دعوت کے اہم پہلوؤں سے بھی آگاہ کیا گیا۔ اس سخت ذمہ داری کو نبھانے کے لئے صبر کی صفت کو ابھارنے پر زور دیا گیا۔ آپ کو ہدایت کی گئی کہ لوگوں کی پسند و ناپسند سے بے نیاز ہو کر اپنے رب کی طرف یکسو اور منیب ہو جائیں۔ دعوت حق کے دوران بے ہودہ و ناشائستہ روش اختیار کرنے والوں کے ساتھ شائستگی اور اعلیٰ ظرفی (قالوا سلاما) کے ساتھ علیحدہ ہو جانا داعیان حق کی امتیازی صفت ہے۔

اللہ کے آخری رسول ﷺ نبوت سے پہلے ہی ان امتیازی اوصاف سے متصف تھے۔ ہدایت ربانی کے ذریعہ مرحلہ وار تربیت نے ان اوصاف کو جلا بخشی اور آپ کو عزم و حوصلہ، حلم و اناۃ اور صبر و استقلال کا کامل ترین نمونہ بنا دیا۔ پھر آپ کی ذمہ داری جہاں قوم کو الٰہ واحد کی بندگی کی کھلی دعوت دینا تھی وہاں اس دعوت پر لبیک کہنے والوں کی تربیت بھی کار نبوت کا اہم حصہ تھا، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا:

لقد منّ اللہ علی المؤمنین وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین (آل عمران ۱۶۴)

"مومنوں پر اللہ نے بڑا احسان فرمایا ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو انہیں اللہ کی آیات سنا کر کے پاک کرتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔"

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جس انداز سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی تربیت فرمائی، وہی طریقہ کار رسول ﷺ نے اپنے صحابہؓ کی تربیت کے لئے اختیار فرمایا، جس کا اشارہ درج بالا آیت میں ملتا ہے۔ اور یہ بھی عجیب واقعہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اس تربیتی پروگرام سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ قرآن کی تعلیم، تعلم اور تلاوت قرآن بالخصوص قیام اللیل میں ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ قرآن کی مختلف آیات میں مومنانہ اوصاف اور جنت کے آرزومندوں کے انداز فکر و عمل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ عباد الرحمن کے شب و روز کے مشاغل کا تذکرہ ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس کوشش اور لگن کے ساتھ آیات قرآنی کی تعلیمات کو جذب کیا اور اپنے آپ کو انکا مصداق بنایا۔

اس طرح نبی علیہ السلام کے زیر تربیت تزکیہ نفس کے مراحل سے گزر کر تقویٰ اور سمع و طاعت کے پیکر، مخلص مجاہدین کی وہ جماعت تیار ہوئی جو "خیر امت" کے لقب سے نوازے گئے اور وہ یقیناً اس کے حقدار تھے۔ انہی کے ذریعے اسلامی انقلاب برپا کرنا مطلوب و مقصود تھا۔ انہوں نے اللہ کی رضا اور جنت کی نعمتوں کے حصول کے لئے جان و مال کا سودا قبول کیا، اور پھر سودا کاری کا حق ادا کیا۔ مکی دور میں جاں گسل آزمائشوں میں عائلہ قدمی، ہجرت کے حکم پر وطنیت کے بت کو ٹھکرا کر گھر بار چھوڑ دینا، خاندانی و قبائلی وابستگیوں سے بے نیاز ہو کر دعوت و ہجرت کے مراحل میں اللہ کے رسول ﷺ کا بھرپور ساتھ دینا، اور پھر قتال کا حکم ملنے پر اپنے سے تین گنے لشکروں کا مردانہ وار مقابلہ کر کے اللہ تعالیٰ کی غائبانہ نصرت سے فتح و کامرانی سے ہمکنار ہو جانا، یہ سب اس غیر متزلزل ایمان اور آخرت پر پختہ یقین ہی کا نتیجہ تھا جو اس جامع تربیتی پروگرام کے ذریعے پروان چڑھا تھا۔ ان سرفروش مومنین صالحین نے ثم لم یرتابوا کی صفت سے آراستہ ایمان اور عزم و استقامت کے ساتھ پے در پے غزوات میں جان کی بازی کھیل تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا ہوا وعدہ استخلاف جو ایمان و عمل صالح کی شرط کے ساتھ مشروط تھا پورا کر دیا۔ انجام کار منصوبہ الٰہی پایہ تکمیل کو پہنچا، دین اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور اللہ کی زمین پر امن و سکون اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل کیا اور قیامت تک کیلئے اس کے حافظ یعنی کتاب اللہ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن اور اس کی تشریح (یعنی معلم اعظم قرآن) کو صحیح احادیث کی شکل میں محفوظ فرما دیا ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج امت مسلمہ کو دنیا کی سب سے زیادہ قابل قدر کتاب کی ہدایات و تعلیمات سے یکسر محروم کر دیا گیا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ یہ امت قرآن و

حدیث کے خلاف عقائد اپنا کر قبر پرستی کا دین اختیار کر لیتی۔ اب ایک طرف تو ان لوگوں کا ایمان کفر و شرک سے آلودہ ہو کر رہ گیا تو دوسری طرف بدعات و رسومات اور توہم پرستی گویا ان کی رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ کاہن پرستی نے ان کو اصل دین اسلام سے اتنا دور کر دیا ہے کہ اب ایمان کی دعوت اور اتباع سنت رسول کی تلقین ان پر کبر علی المشرکین ما تدعوھم الیہ کے مصداق انتہائی شاق گزرتی ہے اور وہ بات بات پر بڑی شخصیات کا سہارا لینے لگتے ہیں جن کی کتابیں شرک اور نصوص قرآن کے خلاف عقائد پر مشتمل واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ دراصل دنیا میں انہماک اور فکر آخرت کے فقدان نے ان کو اس قدر سہل انگاری اور تن آسانی کا عادی بنا دیا ہے کہ دینی معاملات میں تحقیق انہیں بیکار معلوم ہونے لگی ہے۔ اس کا نتیجہ فکر و عمل میں انحطاط کی شکل میں رونما ہوا ہے۔ جہاں ایمان کفر و شرک سے آلودہ ہوا ہے وہاں بداعمالی میں بھی اقوام عالم کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اخلاق و کردار کی پستی، جھوٹ و فریب، چور بازاری، اشیائے خورد و نوش میں ملاوٹ، جنسی بے راہ روی، قتل و غارتگری، چوری و سینہ زوری اور رشوت ستانی وغیرہ میں شاید ہی کوئی قوم اس قطعہ کو امت کا مقابلہ کر سکے! ایک طرف اس تفرقہ پرداز امت کے علماء دین حق کو چھپانے والے ہیں اور دین فروشی کے ذریعے خواہشات نفس کے تقاضے پورے کرنے والے تو دوسری طرف ان کے سیاسی رہنما اور مقتدر ان کا خون چوس چوس کر اپنا پیٹ اور تجوریاں بھرنے والے ہیں۔ دراصل یہ قہر الٰہی ہے جو ان پر ہمہ جہتی بدحالی اور ذلت و خواری کی شکل میں نازل ہو رہا ہے۔ ہر سو ان پر لعنت و پھٹکار ہے، خواتین کی آبروئیں لٹ رہی ہیں، سہاگ اجڑ رہے ہیں، بچے یتیم ہو رہے ہیں۔ الغرض ہر طرف خون ہی خون اور دھواں ہی دھواں ہے، لیکن یہ پھر بھی اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ ہم ہی خیر امت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور تائید و نصرت کے مستحق!!

یہ ماہ مقدس، ماہ نزول قرآن بلاشبہ خیر و برکت کا مہینہ ہے۔ فرمان نبوی ﷺ کے مطابق اس کا پہلا عشرہ، عشرۂ رحمت ہے، دوسرا عشرہ مغفرت ہے اور تیسرا جہنم سے نجات کا عشرہ ہے۔ اسی مہینہ کے لئے نبی علیہ السلام نے خوشخبری دی ہے کہ "فتحت ابواب الرحمة و فتحت ابواب الجنة و غلقت ابواب النار" اور "صفدت الشیاطین" (یعنی رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے، جنت کے دروازے کھول دیے جاتے، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے) لیکن غور و فکر کرنے والا انسان اس کو پڑھ کر ورطہ حیرت میں غرق ہو جاتا ہے، وہ سوچنے لگتا ہے! کیا یہ مژدہ جانفزا اس ایمان کی حامل کلمہ گو امت کے لئے ہے جس کے ایمان و عمل کا نقشہ درج بالا سطور میں پیش کیا گیا ہے جو اس مہینے میں بھی جھوٹ، فریب اور ناجائز منافع خوری کی تمام حدود پھلانگ کر اور غریب عوام کا خون چوس کر اتنا کمانا ضروری سمجھتے ہیں کہ بقیہ سال دولت بیش دیں اور جن کے نزدیک یہ مہینہ محض زبان کے چٹخاروں کے لئے اور کام و دہن کی لذت اور خواہشات نفس کے تقاضے پورے کرنے ہی کے لئے ہے؟ کیا شہر الصوم کے بہار آفریں لمحات اور اس سے منسوب بشارتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جن کے لئے دنیا کو رنگین اور دلفریب بنایا گیا ہے اور جو اس میں پوری طرح مست و مگن ہیں؟ خوش فہمی کا شکار اور اعمالوں کی جنتوں میں گم رہنے والوں کی توبات ہی اور ہے، لیکن ذرا غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ قرآن نے تو ایماندروں ہی کو مخاطب کر کے صوم کی فرضیت کا اعلان کیا ہے (البقرہ ۱۸۳) اور نبی ﷺ نے صوم، قیام اللیل اور قیام لیلۃ القدر کے لئے ایمان و احتساب کی شرط کو لازم قرار دیا ہے (بخاری و مسلم)۔ امر واقعہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نظام عبادات، فرائض و تطوعات کو صرف اپنے ایماندار بندوں ہی کی تربیت کے لئے مقرر فرمایا ہے جن کا ایمان شرک سے پاک ہو اور جو کم از کم خوف کے معیار پر پورے اتریں۔ انہی کے لئے "خیر امت" کا منصب ہے اور اللہ تعالیٰ کے مشن کے لئے ایسے ہی لوگ مطلوب ہیں جن کے اندر یہ اوصاف ہوں:

الصابرین و الصادقین والقانتین والمنفقین و المستغفرین بالاسحار ۔۔ (آل عمران ۱۷)

"صبر کرنے والے، سچے، فرمانبردار، (اللہ کی راہ) میں خرچ کرنے والے، اور رات کے پچھلے پہر استغفار کرنے والے۔"

اسلام کا نظام عبادات، صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ، حج اور تہجد وغیرہ ان مطلوبہ اوصاف کے نشوونما کا بہترین ذریعہ ہیں۔

اب یہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا خاص فضل و کرم ہے کہ اس نے کفر و شرک اور ظلم و جور کے اس تاریک ماحول میں شمع ہدایت روشن فرمائی اور اس کی توفیق اور تائید غیبی سے باطل کے ایوانوں کو لرزہ دینے والی الھکم الٰہ واحد کی انقلابی دعوت اٹھی۔ اس پکار نے جہاں سر مست باطل پرستوں کو للکارا، وہاں ان اولوالباب ہمت مردوں کو آواز دی جو مقصد حیات کا شعور اور اپنے رب کو پہچان کر صرف اور صرف اسی کی بندگی کا صحیح معنوں میں عزم و حوصلہ رکھتے ہوں، جو جنت کی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لئے متاع دنیا کو قربان کر دینے کے لئے پوری طرح تیار ہوں، جو حیات دنیا اور اس کی پرکشش زیب و زینت کو محض امتحان گاہ اور ذریعہ امتحان جانیں اور اس میں سرمست ہو کر کھو جانے کے بجائے اس سے بلند ہو کر اللہ کے وعدے کو سچ جانتے ہوئے آخرت کی ان دیکھی نعمتوں اور ابدی اور سرمدی بہاروں پر اپنی نظریں گاڑ دیں، جو اللہ کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ کے یک رنگ اور یکسو ہو جائیں اور سنت کا جامہ زیب تن کر کے انہیں اپنے اصل اور حقیقی تشخص پر فخر و مسرت محسوس ہو، جو دنیا اور فیشن پرستوں سے مرعوب ہونے کے بجائے پورے عزم و اعتماد کے ساتھ آنکھ ملا کر ان سے بات کریں اور دین حق کی دعوت پیش کرنے کا حوصلہ پیدا کریں۔ اس عظیم مشن کو سنبھالنے کے لئے درحقیقت ایسے ہی لوگ مطلوب ہیں اور انہی کی تربیت اور تزکیہ نفس اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے اور یہی کتب علیکم الصیام کے مخاطب ہیں۔

الحمد للہ اس پکار پر لبیک کہنے والے خوش نصیب جوان ہمت ایماندار افراد کی مبارک اور قابل قدر اجتماعیت وجود میں آئی اور ہمیں اس میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی، اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ لازم ہے کہ ہم پوری طرح اس بیش بہا نعمت عظمیٰ کی قدر کریں اور اپنے قول و عمل اور انداز فکر و عمل سے اس اجتماعیت کے استحکام کی کوشش میں کوئی بھی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں۔ اللہ رب العالمین سے عاجزانہ التجا ہے کہ مالک ہمیں ان خوش نصیب اور منتخب "کرداروں" میں شامل کرے، ماہ صیام، قیام اللیل اور قیام لیلۃ القدر کی سعادتوں اور برکتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ اس عظیم مشن کا اپنے آپ کو اہل ثابت کر سکیں اور مالک حقیقی ہمیں انجام کار اپنے ان بندوں میں شامل کر دے جن کے لئے اس نے وعدہ فرمایا ہے:

ومن یطع اللہ والرسول ۔۔ و حسن اولئک رفیقا ۔۔ (النساء ۶۹)

"اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے دن) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے فضل کیا ہے، یعنی انبیاء، صدیق، شہداء اور صالح لوگ، اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔"

آمین!

۱۲ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

ماہِ صیام

منور سلطان

رمضان المبارک ماہ صیام اور شہر القرآن ہے۔ یہ اسلامی تقویم کا نواں مہینہ ہے۔ لسان العرب اور المنجد میں اس کا مادہ رمض باب سمع سے بھی آیا ہے اور باب ضرب اور نصر سے بھی۔ اول الذکر باب سے اس کے معنی دن کا بہت گرم ہونا، ریت وغیرہ کا تیز دھوپ سے جلنا، پیاس سے بدن کا گرم ہونا، تپتی زمین میں چلانا وغیرہ کے ہیں۔ جبکہ ثانی الذکر سے تلوار وغیرہ کے پھل کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کوٹ کر دھار لگانے کے معنوں میں آتا ہے۔ یہی مادہ تعاشی مزید فیہ میں تفعیل و افعال کے ابواب میں بکریوں کو تپتی گرم زمین میں چرانے، کسی کو جلانے اور تکلیف دینے کے معنی دیتا ہے۔ احادیث میں بھی یہ لفظ ان معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبا میں لوگوں کو صلوٰۃ الضحیٰ ادا کرتے دیکھا تو فرمایا

صلوۃ الاوابین حین ترمض الفصال

"اوابین کی صلوٰۃ کا وقت اس وقت ہے کہ اونٹ کے بچوں کے پاؤں تپنے لگیں۔" (۱)

چونکہ اس مہینے میں روزہ رکھ کر نفس کی تربیت کی جاتی ہے، بھوکا پیاسا رہ کر اسے تپایا جاتا ہے، اور ایک طرح سے اسے کوٹ پیٹ کر سدھانا جاتا ہے، اس لئے مندرجہ بالا تمام معنی ماہِ رمضان پر صادق آتے ہیں۔

رمضان کی فضیلت

ماہِ رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس کے لئے قرآن میں آیا ہے کہ

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن (البقرہ ۱۸۵)

"ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔"

اور یہ نزول قرآن رمضان کی ایک انتہائی بابرکت رات میں ہوا جسے مالک نے اپنی کتاب میں ہزار مہینوں سے افضل کہا ہے۔ (۲) اس مسلمہ کے لئے یہ رات بہت فضیلت والی ہے جس میں اللہ نے وہ مقدس کتاب اتاری جو

ھدی للناس و بینٰت من الھدی و الفرقان (البقرہ ۱۸۵)

"انسانوں کے لئے ہدایت اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔"

اور جو

یھدی للتی ھی اقوم (بنی اسرائیل ۹)

"ایسے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے جو سب سے سیدھا راستہ ہے۔"

فضائل رمضان کی روایات میں فرمان نبوی ﷺ ہے

"سال کے آغاز سے آخر سال تک جنت کو رمضان کے لئے سجایا جاتا ہے۔" (۳)

"رمضان کے آنے پر جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔" (۴)

"جب رمضان شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ (۵)

ایک دوسری روایت میں اس طرح فرمایا کہ

"رمضان کے مہینے کی جب پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن (زنجیروں میں) جکڑ دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، کوئی بھی کھلا نہیں رہتا۔ اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، کوئی بھی بند نہیں رہتا۔ اور آواز لگائی جاتی ہے کہ اے خیر کے طالب آگے بڑھ، اور اے شر کے طالب شر روک جا اور اللہ کے بہت سے جہنم سے آزاد کیے جاتے ہیں۔ اور یہ ہر رات میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ (۶)

بعض روایات کے مطابق رمضان میں اعمال خیر کا اجر ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ اگر رمضان میں عمرہ کیا جائے تو حج کے برابر ثواب ملتا ہے۔ (۷)

روزہ

روزے کے لئے قرآن و حدیث میں لفظ "صوم" استعمال ہوا ہے، "روزہ" فارسی لفظ ہے۔ المنجد اور لسان العرب میں صوم کا مادہ باب نصر سے صام آیا ہے، جس کے معنی رکے رہنے کے ہیں۔ مادہ صائمۃ کے معنی ہیں رکا ہوا پانی۔ اصطلاح میں کھانے پینے، جنسی خواہشات اور تمام منکرات سے صبح صادق سے غروب شمس تک رکے رہنے کو "صوم" کہا جاتا ہے۔ امام زکریا محی الدین نووی اپنی شرح صحیح مسلم میں کتاب الصوم کی ابتداء میں لکھتے ہیں کہ "لغت میں صوم اور صیام کے معنی مطلق امساک (یعنی رکنا) کے ہیں۔ اور (اصطلاح) شرع میں مخصوص وقت میں مخصوص شرائط کے ساتھ مخصوص امساک ہے۔"

مقصد صیام

رمضان کا مہینہ انتہائی خیر و برکت کا مہینہ ہے۔ یہ مہینہ تزکیہ نفس، کردار سازی، اصلاح احوال، تعمیر سیرت، اخلاق کو سنوارنے، اطوار کو نکھارنے، عادات کو سدھارنے اور اعمال کو جلا بخشنے کا ایک مکمل تربیتی پروگرام اور ایک مفید Refresher Course ہے۔ ماہِ رمضان کی خصوصی عبادت میں روزہ، تراویح اور اعتکاف ہیں جو تزکیہ نفس کا مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔ ویسے تو بندگی رب کا مقصد ہی لوگوں میں تقویٰ پیدا کرنا ہے!

یٰاَیُّھَاالنَّاس اعبدوا ربکم الذی خلقکم و الذین من قبلکم لعلکم تتقون (البقرہ ۲۱)

"اے انسانو! اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔"

اور عبادات کا نظام اس مقصد کے حصول میں بہت زیادہ ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ لیکن یہ روزے کا امتیاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن مجید میں بطور خاص فرمایا ہے:

يَاأَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ ۱۸۳)

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر کیے گئے تھے، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔"

روزہ تربیت انسانی کا ایک بہترین طریقہ اور مؤثر ذریعہ ہے۔ تزکیہ نفس اور شہوانی تحریکات کو قابو میں رکھنے کے لئے روزہ اکسیر کا کام کرتا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص قوت مردی رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ شادی کرے کیونکہ یہ بوجھ نظروں کو بچا رکھتی ہے اور شرم گاہ کی حفاظت کرتی ہے۔ لیکن جس کو یہ استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کہ یہ اس کے لئے وجاء (روکے رکھنے کا ذریعہ) ہے۔(۸)

روزے کی فرضیت

روزے کی فرضیت کے لئے ایمان لازمی شرط ہے جیسا کہ اللہ کے فرمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

يَاأَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (البقرہ ۱۸۳)

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں۔"

اور ظاہر ہے کہ یہاں ایمان خالص ہی مراد ہے جس کے حامل وہی لوگ ہوتے ہیں جو حقیقتاً اللہ کو الٰہ واحد مانتے ہیں، اس کی ذات و صفات، حقوق و اختیارات، اوامر و احکامات، قدرت و تصرفات، اقتدار و حاکمیت، ملکیت و ملوکیت میں کسی کو کسی بھی طرح شریک نہیں کرتے؛ اس کی کتاب کے ایک ایک حرف پر اس کی خشاء و مرضی اور اس کے آخری پیغمبر ﷺ کی بیان کردہ تشریح کے مطابق ایمان رکھتے ہیں اور ان ہی کو دین کی بنیاد، حجت اور حرف آخر جانتے ہیں، اور ان سے سرمو انحراف کو کفر سمجھتے ہیں؛ اور ان کے خالص ایمان میں کسی بھی قسم کی آمیزش اور ملاوٹ نہیں ہوتی (۹)؛ یہ ایمان ہر قسم کے شک و شبے، ارتیاب و استرداد سے یکسر خالی (۱۰)، اکابر و مقابر پرستی، فرقہ و مسلک کی پیروی سے منزہ، کتاب و سنت کی کسوٹی پر ٹھکا، پرکھا اور جانچا ہوا کھرا اور ہر قسم کے کھوٹ سے پاک ہوتا ہے۔ صوم سمیت ہر قسم کی عبادت ایسے ہی خالص ایمان کے حامل لوگوں پر فرض ہے۔

جو لوگ اوپر بیان کردہ صفات والا ایمان نہیں رکھتے اور اس میں مختلف قسم کی ملاوٹ و آمیزش کرتے ہیں، مثلاً کتاب و سنت کے علاوہ کسی خود ساختہ مسلک کی پیروی بھی کی جاتی ہو؛ دین کو بگاڑنے والی فرقہ وارانہ شخصیات سے بھی قلبی لگاؤ ہو؛ قبروں، مزاروں، آستانوں، خانقاہوں سے بھی وابستگی ہو اور ان میں مدفون ہستیوں کو زندہ، سنتا، بولتا، جانتا، نافع و ضار، فیض و ضرر رساں، داتا و دستگیر، غوث، غوث الاعظم، مشکل کشا، خالی جھولیاں بھرنے والا، دلی مرادیں اور حاجتیں پوری کرنے والا، حصاری میں شفا، کاروبار میں برکت، رزق میں کشادگی، روزی میں فراوانی بخشنے والا، کھوئی قسمتیں کھری کرنے والا، بیڑے پار لگانے والا، حسب خواہش بیٹا بیٹی دینے والا، وغیرہ وغیرہ سمجھا جاتا ہو؛ ان سے غائبانہ مدد مانگی جاتی ہو، استعانت و استمداد کے لئے ان کی دہائیاں دی جاتی ہوں، ان کے نعرے بلند کئے جاتے ہوں، دعاؤں میں ان کا توسل اختیار کیا جاتا ہو اور یہ دعویٰ کیا جاتا ہو کہ اگر یہ ہماری درخواست اللہ تک پہنچائیں تو اللہ ہرگز رد نہ کرے گا؛ ان سے وابستہ اشیاء و مقامات حتیٰ کہ انکی قبر تک کی شعائر اللہ جیسی تعظیم و تکریم کو عین تقاضائے ایمان جانا جاتا ہو؛ شریعت اسلامی کی پیروی کو نجات کیلئے کافی نہ سمجھا جاتا ہو بلکہ طریقت کی بھی ضرورت محسوس کی جاتی ہو اور فوز و فلاح کے حصول اور دین میں ترقی کیلئے نبی ﷺ کے فرمان کے موجب آپ ﷺ کی سنت سے تمسک کے بجائے پیر و مرید کے ذریعے تصوف کے کسی سلسلے سے وابستہ ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہو؛ بشر نبوی ﷺ کو اللہ کے عرش و کرسی و کعبہ سے بھی افضل گردانا جاتا ہو؛ نبی ﷺ کو جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین مقام "الوسیلہ" کے بجائے مدینے کی قبر میں زندہ مانا جاتا ہو؛ اللہ کے رسول ﷺ کا قبر میں درود سننے اور ان پر اعمال پیش ہونے پر عقیدہ ہو؛ انہیں خلوت و جلوت میں ہر جگہ حاضر و ناظر مانا جاتا ہو؛ ان کی پیدائش کے دن کو نبی ﷺ کے حکم کے خلاف عید بلکہ "عیدوں کی عید" کہہ کر یہود و ہنود، نصاریٰ و مجوس کی طرح بلکہ ان سے بھی بڑھ کر انواع و اقسام کی خرافات سے بھرپور جشن منایا جاتا ہو؛ نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کے بجائے بدعات کثیرہ پر بصد شوق اور عقیدت و احترام کے ساتھ عمل کیا جاتا ہو، مثلاً ہر نماز کے بعد کئی کئی دفعہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، میت کو دفنا کر وہاں اذان دینا، اس کا تیجہ، چالیسواں، برسی، عرس وغیرہ کرنا، اس کی بلکہ تمام انبیاء، اولیاء و عام مسلمانوں کی روح کو ایصال ثواب کرنے کے لئے قرآن خوانی کرنا، میلاد کرنا، کھانا و کپڑا تقسیم کرنا، مہینے، دن و لوقات مقرر کر کے نذر و نیاز کرنا، وغیرہ وغیرہ؛ اللہ کے علاوہ اس کے نبیوں کو اور صوفیوں کو عالم الغیب جانا جاتا ہو؛ اعمال کا ثواب ایصال کیا جاتا ہو؛ جھاڑ پھونک، ٹونوں، ٹوٹکوں، تعویذ گنڈوں، کڑوں چھلوں، نقشوں نگینوں کو مؤثر سمجھا جاتا ہو؛ مختلف حیلوں بہانوں سے اللہ کی حرام کردہ چیزوں مثلاً سود، نذر و نیاز کو حلال و جائز کر لیا جاتا ہو؛ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو خواب اور بلا خواب جیتی جاگتی آنکھوں سے دیکھنے اور ان کے اپنے گھر اور محفل میں آنے کے بھی دعوے کئے جاتے ہوں؛ قرآن کی آیات کو ابجد کے حروف میں تبدیل کر کے خود ساختہ علم الاعداد و جفر اور نجوم کے ذریعے گذشتہ و آئندہ کی خبریں دی جاتی ہوں؛ اللہ کی صفاتی مشیت مثلاً مولیٰ، مولانا، سرکار دو عالم، سرور کائنات، سید کونین، آقائے دو جہاں، وغیرہ اس کے نبیوں اور بندوں کو دے دی جاتی ہو؛ کائنات کی تخلیق کا سبب فرمان الٰہی، بندگی رب کے بجائے ذات نبوی ﷺ کو قرار دیا جاتا ہو؛ قرآن میں معنوی تحریف کی جاتی ہو؛ اور اسکے احکامات کا تمسخر کیا جاتا ہو؛ قرآن اور قوی احادیث کے مقابلے میں موضوع روایات کو دین کی اساس بنایا جاتا ہو؛ اللہ کے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام پر وسیلے کے شرک کی تہمت لگائی جاتی ہو؛ خالق نور سبحانہ و تعالیٰ کو خود نور اور نبی ﷺ کو اس کا ایک ٹکڑا قرار دیا جاتا ہو، نبی آخر الزماں محمد ﷺ کے بعد کسی بھی معنی و مفہوم میں کسی اور کی نبوت پر یقین کیا جاتا ہو؛ احبار و رہبان کی اندھی تقلید کی جاتی ہو اور صلوٰۃ کی امامت، اذان، قرآن کی تعلیم، نکاح خوانی وغیرہ امور دین کی اجرت و معاوضہ کسی بھی شکل میں لیا جاتا ہو؛ تو ایسا اسلام ہرگز وہ اسلام نہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے؛ جسے اللہ نے مسلمانوں کے لئے پسند کیا تھا (۱۱)؛ یہ دین وہ دین نہیں جو اللہ کو پسند ہے (۱۲)۔ ایسا دین اللہ کے یہاں مقبول نہیں (۱۳) بلکہ مردود ہے (۱۴) ایسے دین کے ماننے والوں پر صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ کچھ بھی فرض نہیں۔ اگر توبہ کے بغیر اسی دین پر جان دی تو ان پر صرف ایک ہی چیز فرض ہے: جہنم کی

آگ۔(۱۵)

سورۃ البقرۃ کی زیر بحث آیت میں کماکتب علی الذین من قبلکم (جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے) کہہ کر قرآن واضح کرتا ہے کہ روزے صرف محمد ﷺ کی امت پر ہی فرض نہیں کیے گئے بلکہ ان سے پہلے جو اہل ایمان قومیں گزری ہیں ان پر بھی یہ عبادت فرض تھی، کیونکہ

وما کان الناس الا امۃ واحدۃ فاختلفوا ۔
(یونس ۱۹)

"ساری انسانیت پہلے ایک ہی ملت واحدہ تھی پھر انہوں نے اختلاف کیا۔"

سابقہ امتوں کا دین بھی اسلام ہی تھا:

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا و الذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابرھیم وموسی و عیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (الشوریٰ ۱۳)

"اس (رب) نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے جس کے اختیار کرنے کا حکم نوح کو دیا تھا جس کی (اے محمد) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے جس کا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔"

روزے غزوہ بدر سے پہلے ۲ھ میں فرض ہوئے۔ روزے صرف ماہ رمضان سے ہی فرض ہیں باقی کسی مہینے کے نہیں۔ (۱۹) یہ روزے ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہیں الا یہ کہ مریض ہو یا مسافر (اور وہ دیگر ایام میں پورے کریں):

ایاما معدودت ۔ فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر ۔ (البقرۃ ۱۸۴)

"(ایام صوم) گنتی سے چند روز ہیں، تو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کا شمار پورا کرلے۔"

ابتداء اسلام میں اختیار تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے اس کے بدلے فدیہ دے دے:

وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین ۔
(ایضا)

"اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں (لیکن رکھیں نہیں) تو وہ ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔"

لیکن بعد میں یہ رعایت منسوخ ہو گئی اور روزہ سب پر فرض ہو گیا:

فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ۔ (البقرۃ ۱۸۵)

"پس جو تم میں سے اس مہینے کو پائے تو اسے چاہیے کہ اس (پورے مہینے) کے روزے رکھے۔"

البتہ اسی آیت کے اگلے ٹکڑے میں مریض و مسافر کا استثنیٰ برقرار رہا۔ انہیں رخصت کہ بعد میں یہ دن پورے کرلیں، یعنی چھوٹے ہوئے روزوں کی گنتی ہی پوری کرنی ہے، ابھی نہیں قاعدہ میں ہی سہی۔

مسافر کو اختیار ہے کہ چاہے تو روزے رکھے چاہے افطار کرے۔ (۱۷) نبی ﷺ نے بھی سفر میں روزے رکھے (۱۸) اور نبی ﷺ کے ساتھ صحابہ نے بھی سفر میں روزے رکھے، اور نہیں بھی رکھے۔ لیکن روزے دار اور غیر روزے دار ایک دوسرے پر کوئی عیب نہ لگاتے تھے۔ (۱۹) ترمذی نے یہ بات بیان کرتے ہوئے اس روایت میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے اس قول کا بھی اضافہ کیا ہے کہ

من وجد قوۃ فصام فحسن ومن وجد ضعفا فافطر فحسن

"جس نے طاقت پائی اور روزہ رکھا تو اچھا ہے اور جس نے ضعف پایا اور روزہ نہ رکھا تو وہ بھی اچھا ہے۔" (۲۰)

مسند احمد نے نبی ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ

"جس نے اپنی [illegible] سے روزہ رکھا تو [illegible] رمضان سے پہلے [illegible] روزہ رکھے۔" (۲۱)

البتہ ایسے سفر میں روزہ رکھنا جس سے کوئی نقصان لاحق ہو جائے، کسی کام کاج سے روک دے، یا دوسرے کسی فریضہ کی ادائیگی میں رکاوٹ بن جائے، درست نہیں۔ (۲۲)

مسافر کے ساتھ حاملہ عورت اور اپنے کو دودھ پلانے والی کیلئے بھی رمضان کے روزے کی رخصت ہے۔ (۲۳) عورتیں حیض کے دنوں میں روزے سے مستثنیٰ ہیں۔ (۲۴) یہ سب بعد میں قضا کریں۔ (۲۶) یہی حکم حاملہ نفاس کا بھی ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حاملہ عورت کے متعلق سوال ہوا کہ جب اسے اپنے حمل کا خوف ہو تو روزہ نہ رکھے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ روزہ نہ رکھے بلکہ نبی ﷺ کے صحابہ میں سے ایک مد گندم ہر روزے کے بدلے میں دے دے۔ (۲۷)

یہاں یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں سے جن کے ذمے قضا روزے ہیں اگر یہ روزے رکھنے سے پہلے مر جائیں تو کیا صورت ہو؟ اس معاملے میں صحابہ کے اقوال درج ذیل ہیں:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب کوئی شخص رمضان میں بیمار ہو اور اچھا ہونے کے بغیر مر جائے تو اس کی طرف سے مسکینوں کو کھانا دیا جائے گا اور قضا اس کے ذمے واجب نہ ہوگی، اور اس نے کوئی نذر مانی ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے وہ نذر پوری کرے گا۔ (۲۸) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو مر جائے اور اس پر رمضان کے مہینے کے روزے ہوں تو ہر روزے کے عوض اس کی طرف سے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔ (۲۹) جو بوڑھا ضعیف ہو جائے تو وہ بھی روزے کا فدیہ دے سکتا ہے۔ (۳۰) فدیہ دینا ہی زیادہ صحیح ہے یہ کہ مؤطا امام مالک کی روایت میں انہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مساکین روزہ نقل کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ روزہ رکھے نہ نماز پڑھے۔ (۳۱)

صوم رمضان کی فضیلت

صوم رمضان بھی اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے [illegible] اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج اور رمضان کے روزے۔ (۳۲) ایک دوسری روایت میں نبی ﷺ نے اسلام کی بنیاد، اس کے ساتھ شرک نہ کرنے، نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے، رمضان کے روزے رکھنے کو ہی اسلام بتایا۔ (۳۳) مؤطا امام مالک میں نبی ﷺ نے جنت میں جانے والی جو چار خصلتیں بتائیں ان میں رمضان کے روزے رکھنا بھی شامل تھا۔ (۳۴)

احادیث میں صوم رمضان کی بے انتہا فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ

"[illegible] ایک صائم (روزے دار) کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ صائم میرے لئے اپنا کھانا پینا اور شہوت چھوڑتا ہے، روزہ میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا اور ایک نیکی دس جیسی دس گنا ثواب ہے گا۔" (۳۵)

یہ صائم کا انتہائی اعزاز و اکرام ہے کہ مالک اس کے صوم کی نسبت اپنی ذات کریم کے ساتھ فرما رہا ہے۔ صوم کا اللہ کے لئے ہونے کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ صوم کا معاملہ اللہ اور رب کے درمیان ہے۔ صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج وغیرہ

عبادات دوسرے لوگوں کے مشاہدے میں بھی آسکتی ہیں لیکن صوم تو ایسی کیفیت کا نام ہے جسے دوسرے نہیں دیکھ سکتے۔ اور یہ واقعی درست ہے کہ بندہ کھانا پینا وغیرہ صرف اللہ کی وجہ سے چھوڑتا ہے ورنہ وہ یہ کام چھپ کر بھی کر سکتا ہے۔ وضو کے دوران کلی کرتے ہوئے پانی نگل سکتا ہے، کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا۔ اسی طرح صوم کی دوسری پابندیاں بھی وہ خفیہ طور پر توڑ سکتا ہے، لیکن وہ ایسا نہیں کرتا۔ ایسا کرنے میں اسے صرف اللہ کا خوف مانع ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ نے روزے کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔ اس میں ریاکاری بھی نہیں ہو سکتی، اخلاص ہی اخلاص ہوتا ہے، چنانچہ اس کا اجر بھی بے حد و حساب ہے۔

ایک دوسری حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"آدم کی اولاد کا ہر عمل اسی کے لئے ہے سوائے صوم کے۔ بلکہ صوم خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔" صوم گناہوں کے لئے ڈھال ہے۔ جب تم میں سے کوئی صوم رکھے تو اسے چاہئے کہ وہ بے کاموں اور چیخ و پکار سے بچے۔ پھر اگر کوئی اسے گالی دے یا اس سے لڑے تو وہ یہ کہے کہ میں صائم ہوں۔ اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! صائم کے منہ کی بو اللہ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔ صائم کے لئے دو خوشیاں ہیں: ایک اس وقت جب وہ افطار کرے اور دوسری اپنے رب سے ملاقات کے وقت جبکہ وہ اپنے صوم کا ثواب دیکھے گا۔ (۳۶)

صائم کا ایک دوسرا زبردست اعزاز یہ ہے کہ اس کے لئے جنت کے آٹھ دروازوں میں سے ایک دروازہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جس کو ریان کہا جاتا ہے۔ قیامت کے دن صائم اس دروازے سے جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کے سوا اور کوئی اس میں سے نہ جائے گا۔ پکار لگے گی کہ صائم کہاں ہیں۔ وہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان کے سوا اس میں سے کوئی نہ جائے گا۔ جب وہ داخل ہو جائیں گے تو وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ پھر کوئی اور اس میں سے داخل نہ ہوگا۔ (۳۷) ترمذی نے اس روایت میں اتنا مزید نقل کیا ہے کہ جو اس میں داخل ہوگا تو پھر کبھی پیاسا نہ رہے گا۔ (۳۸) نبی ﷺ نے فرمایا کہ صلوٰۃ، صوم اور صدقہ اس فتنے کا کفارہ بن جاتے ہیں جو انسان کے اہل و عیال، مال و منال اور ساتھی پڑوسیوں میں ہوتا ہے۔ (۳۹)

گناہوں کی معافی کا بہترین ذریعہ صوم رمضان ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ صلوٰۃ خمسہ اور جمعہ جمعہ تک اور رمضان دوسرے رمضان تک اپنے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔ (۴۰) ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ جس نے رمضان کے صوم ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ (۴۱)

اس حدیث میں بھی ایمان کو صوم کی شرط اول کے طور پر بیان کیا گیا ہے جس کا تفصیلی ذکر پچھلے صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ یہاں ایمان کے ساتھ لفظ "احتساب" بھی استعمال ہوا ہے۔ احتساب سے کیا مراد ہے؟ عام طور پر اسکے معنی "ثواب کی نیت" بیان کئے جاتے ہیں۔ روزے ہی پر کیا موقوف، ہر نیک عمل، عبادت کا ہر ہر انداز مسلمان ثواب کی نیت سے ہی کرتے ہیں۔ اس کے دوسرے معنی وہ ہیں جو عام مستعمل ہیں یعنی حرکات و سکنات کی جانچ پڑتال، اعمال کا جائزہ و تجزیہ اور ان پر کڑی نظر کہ وہ احکام شرعیہ کے خلاف نہ ہونے پائیں۔ صوم کے مقصد و غرض و غایت یعنی تقویٰ پیدا کرنے کو مد نظر رکھتے ہوئے احتساب کے مؤخر الذکر معنی ہی زیادہ صحیح ہیں، کیونکہ ایک موقوف حدیث میں تقویٰ کی تشریح اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جس طرح ایک تنگ روش، جس کے دونوں طرف کانٹے دار جھاڑیاں ہوں، سے گزرتے ہوئے کپڑوں کو اچھی طرح سمیٹ کر چلا جاتا ہے کہ مبادا کانٹوں میں الجھ کر پھٹ نہ جائیں، اسی طرح دنیا کی راہ گذر پر چلتے ہوئے اپنے دامن ایمان کو معاصی و منکرات کی خاردار جھاڑیوں سے بچانا ہے۔

حالت صوم میں اپنے اعمال کا احتساب کرنا چاہئے تاکہ کسی معصیت کا ارتکاب نہ ہو کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹ بولنا اور برے کام نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کی حاجت نہیں کہ کوئی اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔ (۴۲) دوسری جگہ فرمایا کہ کتنے ہی روزے دار ایسے ہیں جن کو روزوں سے سوائے پیاس کے کچھ نہیں ملتا، اور کتنے رات کو قیام کرنے والے ہیں کہ ان کو جاگنے کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ (۴۳)

رویت ہلال

رمضان کے روزے رکھنے کے لئے نبی ﷺ نے فرمایا کہ چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور چاند دیکھ کر ہی موقوف کرو۔ اگر ابر چھا جائے (اور اس وجہ سے رمضان کا چاند نظر نہ آسکے) تو (شعبان کے مہینے کے) تیس دن پورے کرو (اور اگلے دن سے روزہ رکھو)۔ (۴۴) نبی ﷺ رمضان کے مہینے کا خاص اہتمام فرماتے تھے اور اس کے انتظار میں دن گنتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شعبان کی تاریخوں کو اچھی طرح یاد رکھتے، اس کے علاوہ کسی اور مہینے کا ایسا اہتمام نہ فرماتے، رمضان کا چاند دیکھ کر روزے شروع فرماتے، اگر اس دن ابر ہوتا تو شعبان کے تیس دن پورے فرماتے پھر روزے رکھنا شروع کرتے۔ (۴۵) اور جب چاند نظر آتا تو آپ ﷺ یہ دعا فرماتے:

اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ

"اے اللہ! اس ہلال کو ہم پر امن و ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ مبارک فرما۔ (اے چاند!) میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔" (۴۶)

ایک روایت میں نبی ﷺ کا حکم بھی مروی ہے کہ رمضان کیلئے شعبان کے مہینے کی گنتی کرتے رہو۔ (۴۷) مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے اگر انتیس شعبان کی شام میں چاند نظر نہ آئے تو اگلا دن مشکوک ہوگا کہ آیا یہ شعبان کی تیس تاریخ ہے یا رمضان کی پہلی۔ ایسے شک کے دن کا روزہ رکھنے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس نے اس دن روزہ رکھا اس نے نبی ﷺ کی نافرمانی کی۔ (۴۸) ایک روایت میں نبی ﷺ نے شعبان کے آخری دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ (۴۹)

جیسا کہ پہلے بیان ہوا، نبی ﷺ ماہ رمضان کا چاند دیکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ اگر آپ ﷺ نہ دیکھ پاتے تو دوسروں کے دیکھنے کی اطلاع پر روزے رکھنے کا اعلان فرما دیتے، جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ (۵۰) موجودہ دور میں رویت ہلال کمیٹیاں جو چاند کی اطلاع دیتی ہیں وہ اس شرط پر پوری اترتی ہیں کیونکہ ان کی اطلاع مصدقہ ذرائع سے ہوتی ہے۔

ہر شہر و ملک کے لوگ اپنے اپنے علاقوں میں چاند دیکھ کر روزے رکھیں یا چھوڑیں، کیونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی رات کو شام میں رمضان کا چاند دیکھا تھا، لیکن مدینہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ہفتہ کی شب دیکھا تھا اور انہوں نے (مدینہ والوں کیلئے) معاویہ رضی اللہ عنہ کی رویت کو تسلیم نہیں کیا۔ (۵۱) اپنے علاقے میں رویت ہلال نہ ہو تو مضافات کی رویت ہلال پر حکم نافذ کیا جائے گا۔ (۵۲)

مدت صوم

روزہ طلوع فجر یعنی صبح صادق سے مغرب تک جاری

رہتا ہے۔ ابتداء میں روزے کی مدت طویل تھی۔ اس کا قاعدہ یہ تھا کہ اگر روزہ افطار کئے بغیر کوئی سو جاتا تو پھر وہ اگلے دن غروب آفتاب سے پہلے تک کچھ کھا پی نہیں سکتا تھا (یہی حکم جماع سے متعلق بھی تھا جیسا کہ آگے متعلقہ آیت سے معلوم ہوتا ہے)۔ اس حکم سے صحابہؓ کو کچھ مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور اس کی پابندی دشوار معلوم ہوئی (اور بعض حضرات نے توڑ بھی دیا)۔ اللہ نے آسانی فرمائی اور درج ذیل آیت نازل فرما کر اس پابندی کو ختم کر دیا جس سے صحابہؓ بہت خوش ہوئے (۵۳):

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿البقرة ۱۸۷﴾

"تمہارے لئے روزوں کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے۔ اللہ کو معلوم ہو گیا کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، مگر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور تم سے درگذر فرمایا۔ اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کرو اور اللہ نے جو چیز تمہارے لئے لکھ رکھی ہے (یعنی اولاد) اسے طلب کرو۔ اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ تم کو سپیدۂ سحر کی دھاری شب کی سیاہ دھاری سے نمایاں نظر آجائے۔ پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو۔ اور جب تم اعتکاف میں ہو تو ان سے مباشرت نہ کرو۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، ان کے قریب نہ پھٹکنا۔ اس طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کے لئے واضح کرتا ہے۔ توقع ہے کہ وہ غلط روی سے بچیں گے۔"

صبح صادق کے تعین کے لئے نبی ﷺ نے یہ پہچان بتائی کہ جو روشنی عمود میں سیدھی اوپر جائے تو وہ روشنی صبح کاذب کی ہے اور جو روشنی افق پر پھیل جائے تو وہ صبح صادق ہے، اور یہی وقت ابتدائے سحر ہے جب کھانا پینا بند اور روزہ شروع ہو جاتا ہے۔ (۵۴) انتہائے سحر کے معاملے میں منٹوں اور سیکنڈوں کا تشدد نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ نبی ﷺ نے اس میں سختی نہیں کی اور دیر تک سحری کھانے کی ترغیب فرمائی۔ آپ ﷺ کا حکم سحری میں تاخیر اور افطار میں تعجیل کا ہے۔ (۵۵) اس میں آپ ﷺ نے یہاں تک رعایت رکھی کہ فرمایا: تم میں سے جو سحری کھاتے وقت فجر کی اذان سنے اور اسکے ہاتھ میں کھانے کا برتن ہو تو وہ برتن نہ رکھے یہاں تک کہ اس میں سے اپنی ضرورت پوری کر لے۔ (۵۶) دوسری جگہ فرمایا کہ تم کھاتے پیتے رہا کرو جب تک عبداللہ بن ام مکتوم اذان نہ دیں کیونکہ بلالؓ سحر سے کچھ قبل ہی اذان دیتے ہیں اور عبداللہؓ صبح ہونے کے بعد اذان دیتے ہیں۔ (۵۷) بلال رضی اللہ عنہ کے فجر سے پہلے اذان دینے کی غرض یہ تھی کہ جو لوگ تہجد پڑھ رہے ہوں وہ اب آرام کریں اور سونے والے تہجد کے لئے اٹھ جائیں۔ (۵۸) عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے، بینا تو سپیدۂ سحر نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے جب روشنی ہو جانے پر لوگ انہیں اطلاع دیتے تھے تبھی وہ اذان دیتے تھے۔

نبی ﷺ نے سحری کھانے کی تاکید فرمائی۔ ارشاد فرمایا کہ سحری کھایا کرو کیونکہ سحری میں برکت ہوتی ہے۔ (۵۹) دوسری جگہ فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے کا فرق ہے (یعنی وہ سحری نہیں کھاتے اور ہم سحری کھاتے ہیں)۔ (۶۰) اور چونکہ اہل کتاب کا طریقہ اختیار کرنے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا اور ان کی مخالفت کا حکم دیا (۶۱) اس لئے سحری کھانی چاہئے، اہل کتاب یہودیوں و عیسائیوں کی طرح اسے چھوڑ نا نہ چاہئے۔ اگر کوئی سحر میں نہ جاگ سکے اور اس وقت اٹھے کہ اذانیں ہو رہی ہوں تو بھی وہ کچھ کھا پی لے کہ نبی ﷺ نے پیچھے بیان کردہ احادیث میں اذان کے بعد بھی صحابہؓ کو کھاتے پیتے رہنے کی اجازت دی۔ اگرچہ آج گھڑی گھنٹے اور دیگر آلات جدیدہ کے ذریعے طلوع فجر کا منٹوں اور سیکنڈوں کا حساب بھی بتا دیا جاتا ہے اور سائرن وغیرہ کے ذریعے سب کو مطلع بھی کر دیا جاتا ہے، لیکن پھر بھی مذکورہ احادیث میں وسعت پائی جاتی ہے۔ اس لئے اذانوں اور سائرن کے بعد بھی کچھ کھا پی لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ سہل پسندی نہیں بلکہ عین اطاعت رسول ﷺ ہے۔ لیکن اگر کسی کی آنکھ صبح صادق کے بہت بعد کھلے تو پھر مجبوری ہے کہ یہ چیز خارج از ارادہ و اختیار تھی۔ اسے بغیر سحری کھائے ہی روزہ رکھ لینا چاہئے، لیکن افطار میں ضرور کچھ کھائے۔ ایسا نہ کرے کہ بغیر سحری اور افطار کے پے در پے روزے رکھے (جنہیں صطلاح میں سوم وصال یا وصال کے روزے کہا جاتا ہے)، کیونکہ اس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (۶۲) جب نبی ﷺ سحری کھانے کیلئے کسی کو دعوت دیتے تو یوں فرماتے کہ برکت والے کھانے کی طرف آؤ۔ (۶۳) صحابہ کرامؓ سحری کے کھانے کو "فلاح" بھی کہتے تھے۔ (۶۴) سحری کے متعلق نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ دن کے روزے میں سحری کے کھانے سے مدد لو اور رات کے قیام (تہجد) میں مدد لو قیلولہ (دوپہر کو سونا) سے۔ (۶۵) فرمایا کہ مومن کیلئے کھجوریں سحری کا اچھا کھانا ہیں۔ (۶۶)

سنن اربعہ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) کی کتب الصیام میں ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رات ہی سے روزے کی نیت نہ کرے گا تو اس کا روزہ نہ ہوگا۔ موطا امام مالک میں اس روایت کے ساتھ ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول بھی اس مضمون کا مروی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ رات کو سونے سے قبل ہی روزے کی نیت کر لی جائے کہ مبادا سحری میں آنکھ نہ کھلے۔ یہ پابندی رمضان کے فرض روزے کے لئے ہے ورنہ نفلی روزے کی نیت سحری کھائے بغیر زوال کے بعد بھی کی جا سکتی ہے۔ (۶۷) نیت دل میں کئے جانے والے ارادے کو کہتے ہیں۔ اس کے لئے کچھ مخصوص الفاظ ادا کرنا صحاح ستہ کی احادیث میں مروی نہیں۔ عام طور پر روزے کی نیت کے جو الفاظ مشہور ہیں یعنی وبصوم غد نویت من شهر رمضان (اور میں نے رمضان کے مہینے میں کل کے روزے کی نیت کی)، ان کی کوئی اصل نہیں۔ اور چونکہ نبی ﷺ یا صحابہ کرامؓ سے ان الفاظ کا پڑھنا ثابت نہیں اس لئے ان کا پڑھنا بدعت ہے، اور ان کے پڑھنے پر اصرار کرنا یا اسے بہتر جاننا خود کو نبی ﷺ سے زیادہ عالم گردانے کے مترادف ہے کیونکہ انہوں نے تو اسکی تعلیم نہیں فرمائی تھی۔ ایسا کرنا گستاخی رسول اور سنت نبویؐ کا مذاق اڑانا بھی ہے۔ دل میں روزے کا قصد کرنا ہی روزے کی نیت کے لئے کافی ہے۔ رات کو اٹھنا اور سحری کھانا، یہ سب کام روزے کی نیت کو ہی ظاہر کرتے ہیں۔

سحری کھا کر پھر رات تک روزے کو پورا کیا جائے جیسا کہ آیت مذکورہ کے اگلے حصہ میں ہے کہ

ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ

"پھر تم رات تک روزوں کو پورا کرو۔"

نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب رات آئی اور دن گیا اور سورج

ڈوب گیا تو روزے کے افطار کا وقت ہو گیا۔ (۶۸) امام بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے کہ صحابی رسولؐ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس وقت افطار کیا جب سورج کی ٹکیہ غائب ہو گئی۔ (۶۹) اختتام سحر و افطار کے لئے اذان، سائرن، بھونپو، ڈھول تاشوں یا منادی کی آواز سننا شرط نہیں۔ جب بھی وقت ہو جائے کر لینا چاہیئے۔ نبی ﷺ افطار کیلئے عجلت کا حکم دیا کرتے تھے۔ فرمایا کہ لوگ ہمیشہ خیر پر رہیں گے جب تک افطار جلدی کریں گے۔ (۷۰) دوسری جگہ فرمایا کہ دین ہمیشہ غالب رہے گا جب تک لوگ جلدی افطار کریں گے کیونکہ یہود و نصاریٰ روزہ کھولنے میں دیر کیا کرتے ہیں۔ (۷۱) نبی ﷺ کے جلدی افطار سے متعلق ان واضح ارشادات کے بعد ان لوگوں کے قول و عمل کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے جو خلاف فرمان رسولؐ سحری میں تعجیل اور افطار میں تاخیر کرتے ہیں اور اسے احتیاط کا تقاضا بتا کر اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ سورج کی روشنی زمین پر آٹھ منٹ میں پہنچتی ہے اس لئے مکمل طلوع فجر یا ان کردہ وقت سے آٹھ منٹ پہلے ہو چکی ہوتی ہے اور اسی طرح اصل غروب آفتاب یا ان کردہ وقت کے آٹھ منٹ بعد واقع ہوتا ہے۔ ذلک قولھم بافواھھم۔ کیا یہ لوگ نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے زیادہ دین کا فہم رکھتے ہیں جنہوں نے یہ بات نہ سوچی تھی۔ وہ لوگ تو سورج کی گولائی چھپتے ہی افطار کر لیا کرتے تھے جیسا کہ پیچھے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا معمول نقل کیا گیا۔ اور خود نبی ﷺ افطار میں کتنی جلدی فرماتے تھے اس کا اندازہ اس حدیث سے ہو گا: عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے اور نبی ﷺ روزے سے تھے۔ جب سورج ڈوب گیا تو آپؐ نے فرمایا: اے بلال! اترو اور ہمارے لئے ستو گھولو۔ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! شام تو ہونے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اترو اور ہمارے لئے ستو گھولو۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ابھی تو آپ پر دن ہے۔ آپؐ نے پھر فرمایا کہ اترو اور ہمارے لئے ستو گھولو۔ پھر وہ اترے اور ستو گھولا۔ نبی ﷺ نے اسے پیا اور پھر فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ رات ادھر سے آئے تو روزہ دار افطار کر لے۔ آپؐ نے انگلی سے مشرق کی سمت اشارہ کیا۔ (۷۲) نبی ﷺ کے قول و عمل کے بعد پھر کسی کے قول و عمل کی کوئی حیثیت نہیں:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿ (الاحزاب ۳۶)

"کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گمراہ ہو گیا۔"

حکم ربی ہے کہ:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿ (الحشر ۷)

"رسول جو کچھ تمہیں دے اسے تھام لو اور جس سے وہ تمہیں منع کرے تو اس سے تم رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو۔ بلاشک اللہ بہت شدید عذاب دینے والا ہے۔"

اللہ کے اس حکم کی تعمیل میں رسول ﷺ کے طریقے کو اختیار کرتے ہوئے جلدی افطار اور دیر تک سحری کرنا چاہیئے کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ (الاحزاب ۲۱)

"جو اللہ (سے ملنے) اور آخرت (میں سرخرو ہونے) کا آرزومند ہے تو اس کیلئے اللہ کے رسول (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے۔"

لیکن تعجیل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وقت سے پہلے ہی افطار کر دیا جائے کیونکہ جس نے وقت سے پہلے افطار کیا تو اگر سمجھا گیا تو اس کے ذمے صرف اسی روزے کی قضاء رکھنا واجب ہے لیکن اگر قصداً قبل از وقت افطار کیا تو قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم آئے گا جس کا بیان آگے آرہا ہے۔ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں ہم نے ایک دن ایسے وقت میں روزہ افطار کر لیا جب بادل چھائے ہوئے تھے (اور انہوں نے گمان کیا کہ سورج غروب ہو گیا)۔ پھر ابر کھل گیا اور سورج نکل آیا۔ لوگوں نے ہشام سے پوچھا تو قضاء رکھنے کا حکم ہوا۔ انہوں نے کہا کہ قضاء تو ضرور ہے۔ (۷۳)

افطار کا وقت قبولیت دعا کا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی: امام عادل، روزہ دار جب وہ افطار کرے، اور مظلوم۔ (۷۴) نبی ﷺ جب افطار فرماتے تو یہ دعا کرتے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ

"اے اللہ میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا۔" (۷۵)

(ہمارے یہاں کی لوگوں نے اس دعا میں اَمَنْتُ، تَوَکَّلْتُ وغیرہ کے الفاظ بڑھا دیئے ہیں جو کہ نبی ﷺ کی طریقے میں اضافہ ہیں۔ نبی ﷺ کے قول و عمل میں کسی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں)

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما اس طرح دعا کرتے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اَنْ تَغْفِرَ لِيْ

"اے اللہ میں تیری اس رحمت کے ذریعے جو ہر شے پر چھائی ہوئی ہے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے۔" (۷۶)

نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو تم میں سے روزہ رکھے تو چاہیئے کہ کھجور سے افطار کرے، پھر اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے کرے کہ پانی پاک کرنے والا ہے۔ (۷۷) نبی ﷺ صلوٰۃ ادا کرنے سے قبل چند کھجوروں سے افطار فرماتے۔ اگر تر نہ ملتیں تو خشک کھجور ورنہ پانی کے چند گھونٹ پی لیا کرتے۔ (۷۸) پھر یہ دعا فرماتے:

ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

"پیاس بجھ گئی اور رگیں تر ہو گئیں اور ثواب ثابت ہو گیا، انشاء اللہ۔" (۷۹)

یاد رہے کہ یہ تمام دعائیں بغیر ہاتھ اٹھائے کی جائیں گی کیونکہ نبی ﷺ نے اسی طرح بلا ہاتھ اٹھائے ہی مانگی تھیں اور سنت کا تقاضا ہے کہ جس طرح نبی ﷺ نے کیا اسی طرح کیا جائے۔

روزہ افطار کرانا بھی بہت ثواب و اجر کا کام ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی صائم کو افطار کرائے تو اس کو صائم کے برابر ہی ثواب ملے گا اور صائم کا اجر کم نہ ہو گا۔ (۸۰) ایک بار نبی ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے یہاں افطار کیا تو فرمایا: تمہارے پاس روزہ داروں نے افطار کیا، نیکوکاروں نے تمہارا کھانا کھایا اور فرشتوں نے تمہارے لئے دعا کی۔ (۸۱)

مشاغل رمضان

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، رمضان کا مہینہ سیرت و کردار اور اخلاق و اوصاف کی تعمیر اور اصلاح کا بہترین وقت ہے، اس لئے چاہیئے کہ مومنین اس زریں موقع سے فائدہ اٹھائیں اور جو کمی کوتاہی ایام گزشتہ میں ہو گئی، اب اس کا

ازالہ کریں، اپنے اعمال کا محاسبہ کریں، رمضان کی مبارک ساعتیں اپنے مالک کی بندگی میں صرف ہوں، زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ، وغیرہ اذکار مسنونہ سے رطب اللسان رہیں، نبی ﷺ پر درود کی کثرت ہو، معانی و مطالب پر غور کرتے ہوئے قرآن مجید کی حلاوت بھی کی جائے، آیات بشارت پر اللہ کی رحمت طلب کی جائے اور آیات وعید پر اللہ کے عذاب سے پناہ مانگی جائے، زیادہ سے زیادہ قرآن یاد کریں، ہر موقع کی مسنون دعا ورد زبان رہے، فرض نمازوں کا باجماعت اہتمام پہلے سے بڑھ کر خشوع و خضوع سے ہو، ہر وقت قلب و ذہن اپنے مالک کی طرف رجوع رہیں، زیادہ سے زیادہ نوافل کا اہتمام ہو، (اخلاص تحمدہ کا یہ عمل رات کے نوافل سب سے افضل ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے)، حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد میں بھی کوئی کوتاہی نہ کی جائے، نظر، فکر، گوش دل، ہر عضو بدن اللہ کی اطاعت میں لگا ہو اور حتی الوسع اللہ کی نافرمانی سے بچا جائے، زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنے کا شوق ہو، اس ایک دھن سی لگ جائے کہ یہ اجر بے بہا حاصل کرنے کا موقع ہے۔ جسطرح تجارت پیشہ لوگ اپنی مصنوعات کے سیزن میں انتہائی مصروف ہو جاتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ کمانے کی فکر کرتے ہیں، اسی طرح رمضان نیکیوں اور خیر و برکت کا سیزن ہے، اس لئے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمائیے۔ اس ماہ مبارک میں ہمارے ماضی اور حال میں نمایاں فرق ہو۔ ایسا نہ ہو کہ جو کام رمضان سے پہلے ہو رہے تھے حالت صوم بھی حسب معمول جاری رہیں، آنکھیں اسی طرح نظاروں کی متلاشی، کان اسی طرح سمعی عیاشی میں مشغول، زبان پہلے کی طرح شغلوں میں مصروف اور دل ویسے ہی دنیا میں مگن۔ ایسے شخص پر تو "نیکی برباد گناہ لازم" کا محاورہ چسپاں ہونے کے بعد پیچھے بیان کردہ وہ حدیث صادق آتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ بہت سے روزے دار ایسے ہیں کہ جنہیں روزے سے سوائے بھوکا پیاسا رہنے کے کچھ نہیں ملتا۔ (۸۲) اس لئے ضروری ہے کہ خود احتسابی کے اس سنہری موقع کو گنوا کر اس ماہ مقدس کی برکتوں سے محروم نہ رہا جائے بلکہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے، کیونکہ ایک حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے، اور اس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہو جس پر رمضان داخل ہوا اور چلا گیا لیکن اس کی مغفرت نہ ہوئی، اور اس کی ناک بھی خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپا پایا اور ان کی خدمت نے اسے جنت میں نہ پہنچایا۔ (۸۳) اللہ تعالیٰ ہمیں اس عظیم محرومی سے بچائے، اور اس ماہ مبارک کی برکتیں حاصل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

روزے کے مباحات، مستحبات و مفسدات

☆ اگر رات کو جنابت ہو گئی تو بھی حالت جنابت میں سحری کھا کر روزہ رکھ لے، اور صلوٰۃ الفجر سے پہلے غسل کر لے۔ (۸۴)

☆ جس کو روزے میں متلی بھر کرتے عمداً ہو یا خود بخود آئے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (۸۵)

☆ حالت روزہ احتلام ہونے، پتے آنے اور سینگی لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (۸۶) سینگی لگوانا زمانہ قدیم میں ایک طریقہ علاج تھا جس میں سوراخ کئے ہوئے سینگ کے ذریعے کمر یا جسم کے کسی دوسرے حصے سے سینگ سے زور سے سانس کھینچ کر فاسد خون نکالا جاتا تھا جس سے منہ میں خون بھر جاتا تھا۔ احادیث میں اس فعل کو "حجامت" اور کرنے والے کو "حجام" کہا گیا ہے۔

☆ جب کوئی روزے میں بھولے سے کچھ کھا پی لے تو روزے پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ روزہ پورا کرے کہ اسے اللہ نے کھلایا پلایا۔ (۸۷)

☆ روزے میں بے ہودہ گوئی، جھوٹ اور غیبت نہ کرے کہ پھر اللہ کو اس روزے کی کوئی حاجت نہیں رہتی۔ (۸۸)

☆ روزے میں لڑائی جھگڑے سے بچے، اگر کوئی اسے گالی دے تو یہ نہ کہے کہ "میں تو روزے سے ہوں" کے مصداق فوراً اس کا جواب دیا جائے اور اس کی اس گستاخانہ جرأت پر اس کو مزہ چکھانے کے درپے ہو جائے، بلکہ برداشت کرے اور اکھڑے کہ میں روزے سے ہوں، میں روزے سے ہوں۔ (۸۹)

☆ روزے میں مسواک کی جا سکتی ہے، خواہ خشک ہو یا تر و تازہ۔ (۹۰)

☆ روزے کی حالت میں آنکھوں میں سرمہ لگایا جا سکتا ہے۔ (۹۱)

☆ بخاری نے چار معلق روایات میں صحابہ و تابعین کے مختلف اقوال نقل کئے ہیں جن کے مطابق روزے دار کے لئے حوض میں غوطے لگانا، غسل کرنا، کپڑا بھگو کر بدن پر ڈالنا، جسم کو ٹھنڈا کرنا، تیل لگانا، کنگھی کرنا، تھوک نگلنا، کلی کرنا، سب جائز ہے۔ اور وضو کے دوران ناک میں پانی چڑھاتے وقت اگر پانی حلق میں آجائے اور نگلا نہ جا سکے (اور بلا ارادہ نہ اتر جائے) تو روزہ نہ ٹوٹے گا۔ اسی طرح اگر حلق میں مکھی چلی جائے، بھول کر جماع کر لے تو بھی روزہ نہیں جاتا۔ اگر حلق تک نہ پہنچے تو حالت صوم ناک میں دوا ڈال سکتی ہے۔ (۹۲)

☆ صائم کو دوران وضو ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ نہیں کرنا چاہیئے (یعنی خوب پانی نہ چڑھائے بلکہ ہلکا سا چڑھا لے)۔ (۹۳)

☆ حیض آنے پر روزہ ٹوٹ جائے گا۔ بعد میں قضا بھی رکھنی پڑے گی۔ (۹۴)

☆ بچوں کو روزہ رکھوایا جا سکتا ہے تاکہ ان میں دینی جذبہ اور عبادت کا شوق پیدا ہو۔ صحابہؓ بھی اپنے بچوں کو روزے رکھواتے تھے۔ (۹۵) لیکن اس کیلئے روزہ کشائی کی تقریبات منعقد کرنا احادیث صحاح سے ثابت نہیں۔ روزے داروں کا روزہ افطار کرانا بڑی فضیلت کا کام ہے اور صحابہ ایک دوسرے کا افطار کراتے تھے اور خود نبی ﷺ نے بھی دوسرے صحابہؓ کے ہمراہ دوسروں کے یہاں افطار کیا ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کی گئی احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن ہمارے زمانے میں افطار پارٹی اور روزہ کشائی کے نام سے منعقد کی جانے والی تقریبات نمود و نمائش، ریاکاری، تصویر کشی وغیرہ خرافات کا مجموعہ بن جانے کی وجہ سے بالکل ناجائز بن گئی ہیں جن میں شرکت بھی مومنین صالحین کو زیبا نہیں۔

☆ روزے دار کے سامنے کچھ کھایا پیا جائے (اور وہ صبر کرے) تو فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ (۹۶)

قضاء و کفارۂ صوم

سورۃ البقرۃ کی آیات صوم میں جہاں اللہ نے مریض و مسافر کو رخصت دی ہے وہیں فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ کہہ کر یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ روزے ان پر معاف نہیں ہوئے بلکہ دوسرے دنوں میں رکھنے ہیں، یعنی مسافر سفر سے واپس آکر اپنے مقام پر اور مریض مرض سے صحت پا کر یہ روزے رکھے گا۔ اسطرح ایک فرض کو اس کے مقررہ وقت کے

علاوہ بعد میں کسی وقت ادا کرنے کو قضاء کرنا کہتے ہیں۔ مریض و مسافر کے علاوہ جن لوگوں کو مخصوص حالات میں روزے کی رخصت دی گئی ہے، جس کا بیان پیچھے گزر چکا ہے، وہ بھی ان مخصوص حالات کے گزر جانے پر روزے کی قضاء رکھیں گے، مثلاً حائضہ حیض سے اور نفاسہ نفاس سے پاک ہو کر، حاملہ وضع حمل کے بعد، مرضعہ رضاعت سے فارغ ہو کر، یہ روزے پورے کریں۔ البتہ شرع میں یہ آسانی ہے کہ یہ قضاء روزے آئندہ رمضان تک درمیانی عرصے میں کبھی بھی رکھے جاسکتے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان کے قضاشدہ روزے دس مہینے گزر جانے کے بعد ماہ شعبان میں رکھتی تھیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں مشغول رہنے کے سبب وقت نہ ملتا تھا۔ (۹۷) قضاء روزے مسلسل لگاتار یا وقفے سے چھوڑ چھوڑ کر دونوں طرح سے رکھے جاسکتے ہیں کہ اس باب میں صحابہؓ کے دونوں طرح کے اقوال ملتے ہیں۔ (۹۸)

بغیر کسی قوی عذر یعنی بیماری وغیرہ کے روزہ نہیں توڑنا چاہئے، اور مرض وغیرہ میں بھی جب تک اضطراری کیفیت نہ ہو، البتہ جب جان پر ہی بن جائے تب ہی روزہ توڑا جاسکتا ہے کہ اس حالت میں تو حرام بھی بقدر بقائے جان حلال ہو جاتا ہے۔ (۹۹) ورنہ چھوٹے موٹے عذر پر روزہ نہ توڑنا چاہئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے بغیر کسی بیماری یا رخصت کے رمضان کے کسی دن کا روزہ نہ رکھا (یا رکھ کر توڑ دیا) تو اگر ساری عمر بھی روزے رکھے تو اس (فوت شدہ) روزے کے ثواب کو نہیں پا سکتا۔ (۱۰۰) نفلی روزہ اگر جان بوجھ کر توڑ ڈالا یعنی غروب آفتاب سے پہلے ہی کچھ کھا پی لیا تو صرف اسی ایک روزے کی قضاء میں ایک روزہ رکھا جائے گا۔ (۱۰۱) یعنی نفلی روزہ توڑنے کی صرف قضاء واجب ہے اور کفارہ کچھ نہیں۔ لیکن اگر رمضان کا فرض روزہ توڑا یعنی قبل از وقت ہی کچھ کھایا پیا یا بیوی سے مقاربت کی تو اس کے کفارے میں ایک غلام آزاد کیا جائے، یا دو مہینے (یعنی ساٹھ دن) کے لگاتار روزے رکھے جائیں (یعنی درمیان میں ایک دن بھی ناغہ نہ ہو ورنہ دوبارہ شروع کرنے پڑیں گے) یا پھر (ان ساٹھ روزوں کی جگہ) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ (۱۰۲) اور اس توڑے روزے کی قضاء بھی رکھے۔ (۱۰۳) احادیث میں اس کی تصریح نہیں کہ مسکینوں کو کتنے وقت کا کھانا کھلایا جائے۔ چونکہ ایک روزے کے بدلے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جاتا ہے (۱۰۴) اس لئے ساٹھ روزوں کے بدلے ساٹھ مسکینوں کو ایک وقت کا کھانا کھلایا جائے۔ یہ کفارہ و قضاء جب ہے کہ روزے میں قصداً وہ فعل کیا جو کہ ممنوع تھا ورنہ اگر یہ کام سہواً ہوا ہو مثلاً اندر کی وجہ سے غروب آفتاب سے پہلے ہی روزہ افطار کر لیا تو صرف قضاء لازم آئے گی، کفارہ نہیں۔ (۱۰۵)

رمضان میں قیام اللیل (تراویح)

قیام اللیل کے معنی ہیں رات میں کھڑا ہونا۔ احادیث میں یہ اصطلاح رات میں تہجد کے نوافل ادا کرنے کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ یہ نوافل فرض صلوٰۃ کے بعد سب سے افضل ہیں۔ (۱۰۶) اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ (۱۰۷) یہ وقت دعا کی قبولیت کا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ رات میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ اس وقت مسلم بندہ اللہ سے جو خیر مانگتا ہے اللہ اسے عطا کرتا ہے۔ (۱۰۸) فرمایا کہ جب رات کا آخری پہر ہوتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ آسمان دنیا پر اترتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہے کوئی مجھ سے سوال کرنے والا کہ میں اسے عطا کروں، ہے کوئی مجھ سے دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں، ہے کوئی مجھ سے مغفرت چاہنے والا کہ میں اسے بخش دوں۔ مالک صبح روشن ہونے تک ایسے ہی پکارتا رہتا ہے۔ (۱۰۹)

ایسی مبارک ساعت میں کہ جب فرشتے حاضر ہوں، اللہ رب العزت آسمان دنیا پر نزول فرما ہو، رحمت و مغفرت کی ندا لگ رہی ہو، اور لوگ خواب غفلت کے مزے لے رہے ہوں، تو بڑی سعادت کی بات ہے کہ کوئی مومن بندہ اللہ کے حضور کھڑا ہو اور اس کی کتاب مقدس کی تلاوت کر رہا ہو، اس کے آگے سر کو جھکا کر، پیشانی زمین پر رگڑ کر اپنے مالک کی حمد و ثنا کر کے اظہار بندگی کر رہا ہو۔ اللھم ارزقنا ھذہ السعادۃ العظیمۃ

اللہ نے اپنی کتاب میں عباد الرحمٰن کی یہ صفت بیان کی ہے کہ

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ﴿﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿﴾ (الفرقان ۶۴، ۶۵)

"ان کی راتیں اپنے رب کے سامنے قیام و سجود میں گزرتی ہیں، اور وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں عذاب جہنم سے بچالے۔"

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا (السجدۃ ۱۶)

"ان کے پہلو ان کے بستروں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے رب سے خوف و طمع کے ساتھ دعا کرتے ہیں۔"

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿﴾ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿﴾ (الذریت ۱۷، ۱۸)

"وہ راتوں کو تھوڑا ہی سوتے تھے اور سحر کے وقت اپنے گناہوں کی معافی چاہتے تھے۔"

نبی ﷺ نے قیام اللیل کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ متعدد احادیث میں آپ ﷺ کا قیام اللیل کے فضائل بیان کرنا روایت کیا گیا ہے۔ ایک روایت میں فرمایا کہ اللہ رحم کرے اس آدمی پر جو رات کو اٹھے اور صلوٰۃ ادا کرے اور اپنی عورت کو بھی اٹھائے۔ اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اللہ رحم کرے اس عورت پر جو رات کو اٹھے اور صلوٰۃ ادا کرے اور اپنے خاوند کو اٹھائے۔ اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ (۱۱۰) اس سے اگلی روایت میں ہے کہ ان دونوں مرد و زن کو ذاکرین اور ذاکرات میں لکھا جائے۔ ذاکرین اور ذاکرات کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

وَالذّٰكِرِيْنَ وَالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿﴾ (الاحزاب ۳۵)

"ذکر کرنے والوں اور ذکر کرنے والیوں کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

عام دنوں میں جب قیام اللیل کی یہ فضیلت ہے تو رمضان میں اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کی کتنی فضیلت ہوگی جب ہر عمل کا اجر ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ رمضان کی راتوں میں کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے کو اصطلاحاً تراویح کہا جاتا ہے۔ احادیث صحاح میں اس صلوٰۃ کو یہ نام نہیں دیا گیا بلکہ قیام رمضان ہی کہا گیا ہے۔ اس صلوٰۃ کی بڑی فضیلت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس کے صوم کو اللہ نے تم پر فرض کیا ہے اور اس کے قیام کو میں نے تمہارے لئے سنت ٹھہرایا ہے۔ پس جو ایمان و احتساب کے ساتھ اس کا صوم رکھے اور قیام کرے تو وہ گناہوں سے ایسا نکل جائے گا جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا۔ (۱۱۱) خصوصی انداز میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ (۱۱۲)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کھجور کے پتوں یا بانٹ کا ایک حجرہ بنایا اور اس میں کئی رات صلوٰۃ ادا کی، یہاں تک کہ آپ کے پیچھے بہت سے لوگ بھی پڑھنے لگے۔ ایک رات بہت لوگ آئے لیکن آپؐ باہر نہیں نکلے۔ کوئی آواز نہ پاکر لوگ سمجھے کہ شاید آپؐ سو گئے۔ بعض نے کھنکارا، آوازیں بلند کیں، اور دروازے پر کنکریاں ماریں تاکہ آپؐ باہر نکلیں۔ پھر آپؐ تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے وہ چیز جو تمہارے ساتھ رہی ہے دیکھی ہے (یعنی شوق صلوٰۃ) اور ڈرا کہ یہ صلوٰۃ بھی تم پر کہیں فرض نہ کر دی جائے۔ اور اگر فرض ہو جاتی تو تم اس کو ادا نہ کر پاتے۔ پس تم اپنے گھروں میں اس صلوٰۃ کو ادا کرو۔ آدمی کی بہترین صلوٰۃ اس کے گھر کی ہے سوائے فرض صلوٰۃ کے۔ (۱۱۴) یہ واقعہ رمضان میں پیش آیا۔ (۱۱۴) ایک دوسری روایت میں ہے کہ رمضان میں آپؐ نے کسی رات ہمارے ساتھ (باجماعت) قیام نہیں کیا مگر جب آخری سات راتیں رہ گئیں۔ تیئسویں شب کو آپؐ نے تہائی رات تک قیام کیا۔ پچیسویں کو نصف شب تک قیام کیا۔ صحابہؓ نے اور زیادہ کی تمنا کی تو فرمایا کہ امام کے ساتھ قیام سے فارغ ہونے پر ساری رات قیام کا ثواب ملتا ہے۔ ستائیسویں شب کو آپؐ نے اپنے گھر والوں کو اور مردوں و عورتوں کو جمع کیا اور اتنی دیر تک قیام کیا (یعنی اتنے زیادہ نفل پڑھائے) کہ صحابہؓ کو اندیشہ ہوا کہ سحری کھانے کا وقت نہیں بچے گا۔ پھر باقی مہینے آپؐ نے (باجماعت) قیام نہیں کیا۔ (۱۱۵) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غیر اس بات کے کہ عزیمت کے ساتھ (تاکیدی) حکم کریں، قیام رمضان کی ترغیب دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ قیام رمضان کیا تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے اور اسی طرح ہوتا رہا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی ایسا ہی رہا اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع دور میں بھی یہی طریقہ رہا (یعنی جس کا جی چاہا قیام رمضان کیا)۔ (۱۱۶)

عبدالرحمن بن عبدالقاری روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی رات میں مسجد گئے تو دیکھا کہ لوگ متفرق ہو کر صلوٰۃ ادا کر رہے تھے۔ کہیں کوئی اکیلا ہی پڑھ رہا تھا اور کہیں کسی کے پیچھے جماعت تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، "میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں ان سب کو ایک ہی قاری کے پیچھے اکٹھا کر دوں تو اچھا رہے گا۔" پھر انہوں نے اس کا عزم کر لیا اور ان سب کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جمع کر دیا۔ عبدالرحمن کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں ایک رات جو ان کے ساتھ گیا تو دیکھا کہ سب اپنے قاری کے پیچھے صلوٰۃ ادا کر رہے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ نعم البدعۃ (اچھی بدعت) ہوئی۔ رات کا وہ حصہ جس میں تم سوتے رہتے ہو وہ اس سے افضل ہے جس میں تم قیام کرتے ہو۔ وہ چاہتے تھے کہ رات کے آخری حصے میں قیام ہو لیکن لوگ اس کے اول حصے میں ہی قیام کر لیتے تھے۔ (۱۱۷)

حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں جماعت کے ساتھ اول شب میں تراویح نہیں پڑھتے تھے بلکہ آخر شب میں گھر میں قیام اللیل فرماتے تھے کیونکہ اگر وہ مسجد میں باجماعت تراویح پڑھتے ہوتے تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے ہی کھڑے ہوتے اور باہر سے آکر انہیں تراویح میں مشغول نہ دیکھتے۔ دوسری بات یہ کہ عمرؓ نے آخری شب کے قیام کو اول شب کے قیام سے افضل قرار دیا۔ انہوں نے قیام رمضان کی جماعت کو نعم البدعۃ اس لئے کہا کہ پہلی والی صورت یعنی متفرق ٹکڑیوں میں صلوٰۃ ادا کرنا موقوف ہو گئی اور ایک امام کے پیچھے سب کا جمع ہونا شروع ہو گیا جو متروک ہو گیا تھا، اور وہ لوگ جو صلوٰۃ العشاء کے بعد گھر جا کر سو جاتے تھے وہ بھی قیام اللیل کی سعادت میں شریک ہونے لگے۔ نعم البدعۃ سے "بدعت حسنہ" یا "اچھی بدعت" کے معنی لینا درست نہیں کیونکہ قیام رمضان کی جماعت ایک امام کے پیچھے خود نبی ﷺ سے بھی تین رات کرانا ثابت ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا فعل "بدعت" نہ تھا بلکہ یہ عین اطاعت رسولؐ تھا اور سنت رسول کا اجراء تھا۔ اس سنت یعنی قیام باجماعت کو خود نبی ﷺ نے ہی اس خوف کے سبب موقوف کر دیا تھا کہ کہیں یہ لوگوں کے شوق کے سبب فرض نہ ہو جائے۔ اور اسے گھروں میں ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دو سالہ مختصر دور خلافت میں اسی طرح ہوتا رہا۔ اب جب کہ شریعت مکمل ہو چکی تھی اور کوئی چیز اب نہ فرض ہو سکتی تھی نہ منسوخ، کیونکہ نبی ﷺ موجود نہ تھے جن کے ذریعے ہی کسی حکم شریعت کا نفاذ ہوتا تھا، اس لئے عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے اشتیاق اور متفرق عمل کو دیکھتے ہوئے اتفاق پیدا کرنے کیلئے نبی ﷺ کی موقوف شدہ باجماعت قیام اللیل کی سنت کو دوبارہ جاری کر دیا۔ انہوں نے اس طرح کر کے دین میں ہرگز کوئی نیا طریقہ جاری نہیں کیا۔ اور وہ ایسا کر بھی کیسے سکتے تھے کہ وہ نبی ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور دین میں نئے طریقے ایجاد کرنے کی شناعت و خرابی، سنگینی و سنگلاخی بیان نبوت سے سن چکے تھے۔ اور دین میں ان کے بڑھے ہوئے علم و فہم کی تو خود نبی ﷺ نے بھی گواہی دی۔ (۱۱۸) اور بفرض محال وہ ایسا کرتے بھی تو دیگر عالم و فقیہ صحابہؓ کب انہیں ایسا کرنے دیتے۔

صحیح مسلم میں زید بن ثابت اور صحیح بخاری میں عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ تراویح کی صلوٰۃ اپنے گھر میں پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے۔ اگر صحیح العقیدہ، پابند سنت حافظ و قاری میسر آجائے تو مسجد میں جماعت سے بھی پڑھنا چاہئے کہ اس میں جماعت کی منفعت بھی حاصل ہو جائے گی۔ مروجہ مسالک کے بدعقیدہ اور اجرت کے طالب حفاظ کے پیچھے تراویح پڑھنا صحیح العقیدہ مومنین کو زیبا نہیں۔ جس شخص پر کفر یہ شرکیہ عقائد رکھنے کی وجہ سے نماز فرض ہی نہیں تو پھر اس کے پیچھے صحیح العقیدہ مومنین کیسے تراویح پڑھ سکتے ہیں۔ اس پر مستزاد اجرت کا لینا بھی ہے جو از روئے قرآن و حدیث سراسر ناجائز و حرام ہے۔

تراویح کی تعداد

تراویح نفل ہے اور نفلوں کی تعداد مقرر کرنا صحیح نہیں جب کہ نبی ﷺ نے تعین نہ فرمایا ہو۔ اپنی سہولت، رغبت و شوق کے مطابق جتنے چاہیں نوافل ادا کئے جائیں۔ نبی ﷺ نے تراویح کی کوئی تعداد مقرر نہیں کی۔ تراویح بھی قیام اللیل ہی ہے، اس لئے اس کی رکعتیں بھی صلوٰۃ اللیل کے مطابق ادا کریں، اور ان کی تعداد مختلف روایات میں مختلف آئی ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ (رات میں) کتنی رکعتیں پڑھتے تھے۔ فرمایا کہ آپؐ رمضان غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ ان کی خوبی اور طول کا کیا پوچھنا۔ پھر چار پڑھتے اور ان کی خوبی اور درازی کا کیا کہنا۔ پھر تین رکعتیں پڑھتے تھے۔ (۱۳۱)

مذکورہ بالا حدیث عائشہؓ سے آٹھ تراویح اور تین وتر کا ثبوت ملتا ہے۔ ان ہی سے دوسری روایات میں یہ تعداد کم یا

زیادہ بھی منقول ہے۔ مسروقؒ تابعی نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کی صلوٰۃ اللیل کے متعلق پوچھا تو آپؓ نے بتایا کہ فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ کبھی سات، کبھی نو اور کبھی گیارہ۔ (۱۲۰) قاسمؒ بن محمدؒ کو آپؓ نے بتایا کہ نبی ﷺ کی رات کی صلوٰۃ دس رکعت تھی، ایک رکعت وتر کی اور دو رکعتیں فجر کی۔ یہ سب تیرہ رکعتیں ہوئیں۔ (۱۲۱)

مختلف مسالک سے وابستہ لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ تو تہجد کی نماز کا ذکر ہے اور تراویح علیحدہ چیز ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا، تراویح اور تہجد دونوں قیام اللیل ہیں اور رمضان و غیر رمضان میں نبی ﷺ کا یکساں معمول تھا، جیسا کہ اوپر حدیثِ عائشہؓ میں بیان ہوا۔

یزید بن رومانؒ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان میں لوگ تیئس رکعتیں پڑھتے تھے۔ (۱۲۲) سائب بن یزید سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعتیں پڑھانے کو کہا۔ امام ایک رکعت میں سو سو آیتیں پڑھتا، یہاں تک کہ ہم لکڑی پر سہارا لگاتے، اور ہم فجر کے قریب ہی فارغ ہوتے تھے۔ (۱۲۳) عبداللہ بن ابی بکرؒ کہتے ہیں کہ ان کے والد بتاتے تھے کہ ہم تراویح سے فارغ ہونے کے بعد فجر ہونے کے ڈر سے کھانے کے لئے خادموں سے جلدی کرتے۔ (۱۲۴) اعرجؒ کہتے ہیں کہ رمضان میں قاری سورۃ البقرۃ آٹھ رکعتوں میں پڑھتا تھا۔ جب بارہ میں پڑھتا تو لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ اس نے تخفیف کی (یعنی قیام ہلکے ہو جاتے تھے)۔ (۱۲۵) قیام اللیل میں طویل قیام کو نبی ﷺ نے قولاً و فعلاً بہت ہی پسندیدہ قرار دیا ہے اور درج بالا احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہؓ کرام اس سنت رسولؐ کی پوری طرح اتباع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اُن کے نقشِ قدم کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

الغرض، مندرجہ بالا احادیث سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قیام رمضان میں رکعتوں کی مختلف تعداد ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا تراویح کی کوئی تعداد مقرر نہیں کرنی چاہئے بلکہ آٹھ، دس، بارہ، جس یا زیادہ، جتنی ہمت اور شوق اجازت دے پڑھ لینی چاہئیں۔ مسجد میں باجماعت تراویح پڑھنے کے بعد رات کو گھر میں انفرادی قیام اللیل کا موقع بھی ضائع نہ کریں کہ یہ زیادہ افضل ہے جیسے عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا۔

بعض لوگ آٹھ رکعتیں پڑھنے کو خواہش نفس کہتے ہیں اور انہیں تہجد کی نماز کہہ کر تراویح سے جدا کر دیتے ہیں، جبکہ دوسرے لوگ انہی آٹھ کو تراویح کی مسنون تعداد کہتے ہے اور اس سے زیادہ کے انکاری ہیں۔ یہ دونوں قسم کے لوگ افراط و تفریط اور مسلکی تشدد کا شکار ہیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا، تراویح اور تہجد دونوں ایک ہی صلوٰۃ ہیں جن کے لئے احادیث میں "قیام اللیل" کا لفظ آیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تراویح کو لوگ عشاء کے ساتھ ہی اول شب میں ادا کر لیتے ہیں (جسے عمر رضی اللہ عنہ آخر شب میں ادا کرانا چاہتے تھے) اور تہجد کو آخر شب میں۔ اب جیسا جس کا ذوق اور ہمت و وسعت ہو سو اسی قدر وہ رمضان میں قیام اللیل کرے۔ غرضیکہ نہ تو آٹھ رکعتیں پڑھنا خواہش نفس ہے اور نہ آٹھ سے زیادہ پڑھنا خلاف سنت۔ ہر دو عمل سنت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمل اتنا کرو جتنے کی طاقت ہو (۱۲۶)۔ نیز فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک اپنی خوشی کے موافق صلوٰۃ ادا کرے۔ پھر جب سست ہو جائے یا تھک رہے تو چاہئے کہ بیٹھ رہے۔ (۱۲۷)

تسبیح تراویح

احادیثِ صحاح میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس سے نبی ﷺ کا تراویح کے نوافل کے وقفے میں مخصوص الفاظ کے ساتھ ذکر ثابت ہو۔ تاہم صحیحین کی کتاب الطہارہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے نبی ﷺ اس وقفے میں بھی کوئی نہ کوئی ذکر ضرور فرماتے ہوں گے۔ بخاری اور ترمذی کی کتاب الدعوات و استعاذہ میں بہت سے اذکار مسنونہ روایت کئے گئے ہیں مثلاً سُبْحَانَ اللهِ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ، اَللّٰهُ اللّٰهُ رَبِّيْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا ، سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ ، سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمٰتِهٖ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، وغیرہ، لیکن اس موقع کا کوئی مخصوص ذکر منقول نہیں۔ اس لئے اس وقفے میں کوئی بھی ذکر کر لیا جائے۔ اس موقع کے لئے "تسبیح تراویح" کے نام سے جو ذکر بتایا جاتا ہے اور زمانہ رمضان میں جس کی تشہیر بھی کی جاتی ہے یعنی: سُبْحَانَ ذِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِي الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ

تو جاننا چاہئے کہ صحاح ستہ کی احادیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ صاحب مشکوٰۃ نے تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتب احادیث کی روایتیں بھی اپنی کتاب میں نقل کی ہیں، لیکن انہوں نے بھی اسکو نقل نہیں کیا۔ لہٰذا یہ ذکر مسنون نہیں۔ معنی اس ذکر کے بہت اچھے ہیں لیکن اسے سنت جان کر لازم کر لینا اور نہ پڑھنے کو برا جاننا درست نہیں۔

تراویح سے متعلق غلط باتیں

لوگوں میں ختم قرآن یعنی ماہ رمضان میں پورا قرآن سننے سے متعلق کچھ غلط فہمی بھی پائی جاتی ہے۔ یہ لوگ اسے لازم سمجھ لیتے ہیں۔ اسی غلط تصور کے تحت تاجر پیشہ اور سہل پسند لوگ جو پورے مہینے قیام اللیل کی مشقت برداشت نہیں کر سکتے، کسی حافظ کے پیچھے تین چار دن میں قرآن پورا کر کے باقی مہینے کے لئے "فارغ" ہو جاتے ہیں۔ اس طرح تین چار دن میں قرآن ختم کرانے کو "شبینہ" کا نام دیا جاتا ہے جس کی خوب تشہیر بھی کی جاتی ہے کہ حافظ فلاں، قاری فلاں، شاگرد فلاں، اتنے وقت میں فلاں جگہ شبینہ پڑھائیں گے۔ اور اس شبینہ میں ہوتا کیا ہے؟ حافظ صاحب طوفانی رفتار سے ایک ایک رکعت میں آدھا آدھا پارہ پڑھ جاتے ہیں جس میں عام لوگوں کا تو کہنا ہی کیا، خود سامع حافظ کو بھی نہیں پتہ چل پاتا کہ موصوف نے کیا پڑھا! یہ جناب قرآن کی یہ آیت بھی پڑھتے ہیں اور سامعین اس کو سنتے ہیں کہ:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿﴾ (المزمل ۴)

"اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔"

لیکن افسوس کہ نہ پڑھنے والے کو اس کے معنی معلوم اور نہ سننے والے کو! اگر جانتے ہیں تو انہیں نہ تو اس کی اہمیت کا کوئی احساس ہے اور نہ قرآن کی عظمت کا اور نہ اس طرح حکم ربانی کی بے حرمتی نہ کی جاتی! لوگ محض ایک ذمہ داری بھگتانے یا بوجھ اتارنے کے خیال ہی سے جبراً کھڑے رہتے ہیں۔ بہت سے تو بیٹھے رہتے ہیں کہ رکوع میں شامل ہو جائیں گے۔ بعض جگہ تو ایک دو رات میں بھی قرآن ختم کیا جاتا ہے جس میں حافظ موصوف کی رفتار اور بھی زیادہ

ہوتی ہے۔ حالانکہ نبی ﷺ نے تو بہت زیادہ قرآن پڑھنے والے صحابی عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو بھی تین دن سے کم میں قرآن ختم کرنے کی اجازت نہیں دی۔ (۱۲۸) نبی ﷺ ہر رات میں جبرئیل علیہ السلام کو قرآن سناتے تھے۔ (۱۲۹) احادیث صحاح میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ جن تین دنوں میں آپؐ نے تراویح پڑھائی آپؐ نے مکمل قرآن ختم کیا۔ صحابہؓ بھی قرآن پڑھتے تھے، اگرچہ ان احادیث میں ان سے بھی ختم قرآن کا کوئی ذکر نہیں ملتا، تاہم یہ امر مستحب ہے کہ پورے رمضان میں قرآن ختم کر لیا جائے۔ جسے مکمل یاد ہو وہ تو انفرادی و اجتماعی دونوں قیام اللیل کرے، اور جسے یاد نہ ہو تو وہ اس حافظ کے پیچھے کھڑے ہو کر سن لے اور جتنا قرآن یاد ہو تو وہ انفرادی قیام اللیل میں پڑھے۔ یہ عمل روزانہ کا ہے، پورے مہینے کرنا ہے۔ صرف ایک دو دن میں ختم کر کے جان چھڑانے والی بات تو قرآن کریم کے ساتھ صریح مذاق ہے! العیاذ باللہ!

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ حفاظ لوگ بیس پچیس دن تراویح پڑھا کر ختم قرآن کی تقریب میں دیگوں میں پانی پر پھونکیں مار کر (جسے کھانے پینے کی چیزوں پر پھونک مارنا تو ممنوع ہے)، بار پھول پہن کر پیسے جوڑے لے لیتے ہیں اور اگلی رات سے وہ یا ان کی جگہ کوئی اور صاحب الٓمٓ تر کَیف سے تراویح پڑھاتے ہیں یعنی قرآن کی آخری دس مختصر سورتوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قیام کر کے خانہ پری کی جاتی ہے۔ حالانکہ سورتوں کی کوئی قید نہیں ہے۔ اللہ کی اجازت ہے کہ

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (المزمل ۲۰)

"قرآن میں سے جو تم آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لو۔"

نبی ﷺ نے اماموں کو فرض صلوٰۃ میں تخفیف یعنی ہلکی نماز پڑھانے کا حکم دیا (۱۳۰)، لیکن باقی کے لئے بتایا کہ افضل نماز وہ ہے جس میں طویل قیام ہو۔ (۱۳۱)

شب قدر

شب قدر سے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں "القدر" کے عنوان سے ایک مکمل سورہ نازل کی ہے جس میں مالک ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

"ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نزل کیا۔ اور (اے نبیؐ!) آپ کیا جانیں کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے جس میں فرشتے اور روح القدس (جبرئیل) کے پروردگار کے حکم سے ہر امر کے ساتھ اترتے ہیں۔ یہ (رات) طلوع فجر تک (سراپا) سلامتی ہے۔"

اگر ہر مہینے کی تیس راتیں فرض کی جائیں تو ہزار مہینے کی تیس ہزار راتیں ہوئیں، اور تراسی سال چار مہینے ہوئے۔ اس طرح اس ایک رات کی عبادت تیس ہزار راتوں یا تراسی سال چار مہینوں کی عبادت سے افضل ہوئی۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ رات کس قدر مبارک ہو گی جو تیس ہزار راتوں یا تراسی سال چار مہینوں سے افضل ہو۔ اس رات کو اللہ نے لیلۃ القدر کے ساتھ لیلۃ مبارکہ بھی کہا ہے:

حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (الدخان ۱ تا ۶)

"حٰمٓ۔ اس کتاب روشن کی قسم کہ ہم نے اس کو ایک مبارک رات میں نزل فرمایا۔ ہم تو (بری) روش کے (انجام سے) ڈرانے والے ہیں۔ اسی رات میں ہمارے یہاں سے ہر معاملے کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔ بوقت ہم ہی رسول بھیجنے والے تھے۔ (یہ) تمہارے رب کی رحمت ہے۔ وہ تو سننے والا جاننے والا ہے۔"

پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا، اس لئے لیلۃ القدر اور لیلۃ مبارکہ دونوں رمضان کی ایک ہی رات کے نام ہیں۔ احادیث میں وضاحت کی گئی ہے کہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک رات لیلۃ القدر ہے، لہٰذا شعبان کی پندرھویں شب کو لیلۃ مبارکہ کہنا قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔

لیلۃ القدر کی فضیلت میں حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ لیلۃ القدر میں قیام کیا، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے گئے۔ (۱۳۲) یہ مبارک شب رمضان کی راتوں میں سے ایک رات ہوتی ہے۔ نبی ﷺ کو اس رات کی جستجو رہتی جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پہلے آپ ﷺ اس رات کے لئے ہر سال رمضان کے درمیانی دس دنوں کا اعتکاف فرماتے، یعنی تمام مصروفیات و مشاغل سے کٹ کر یکسوئی کے ساتھ اسی ایک کام کے لئے مسجد میں محصور ہو جاتے۔ ایک دفعہ دسویں تاریخ کو آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ یہ رات مجھے دکھلا دی گئی تھی، لیکن پھر بھلا دی گئی۔ پس تم اس کے لئے رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں جستجو کرو۔ (۱۳۳) اس کے بعد پھر آپؐ اس رات کے لئے رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے۔ (۱۳۴) اور جب یہ عشرہ آتا تو آپ ﷺ عبادت میں شدت اختیار کرتے، اپنی کمر کس لیتے، خود بھی راتوں کو جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے۔ (۱۳۵) صحیح بخاری کی دوسری روایات میں نبی ﷺ سے پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں شب کے متعلق احادیث نقل کی گئی ہیں۔ اسی طرح سنن اربع اور صحیح مسلم کی روایات میں ان راتوں اور اکیسویں شب کے متعلق بھی احادیث رسولؐ و آثار صحابہؓ نقل کیے گئے ہیں۔ تاہم نبی ﷺ کے آخری عشرے میں عبادت میں زیادتی و محنت اور پورے عشرے کے اعتکاف کو نظر میں رکھتے ہوئے پورے عشرے کی دس راتوں اور خاص کر طاق راتوں میں خوب عبادت کی جانی چاہیے اور کسی ایک رات کو عبادت کے لئے مخصوص نہ کیا جائے کہ یہی سنت رسولؐ ہے۔

شب قدر کی تلاش کے یہی معنی ہیں کہ رات کو اللہ کے حضور قیام و قعود، رکوع و سجود، تلاوت و ذکر میں گزار کر ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ کا ثواب حاصل کیا جائے ورنہ یہ بات بالکل بے اصل ہے کہ شب قدر میں نبی ﷺ براق پر سوار ہو کر آسمان پر جاتے ہیں جس سے ایک روشنی پیدا ہوتی ہے اور جو اس روشنی کو دیکھ لیتا ہے وہ اس رات کو پا لیتا ہے۔ نبی ﷺ جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام "الوسیلہ" میں ہیں۔ نہ وہ یہاں دنیا میں آتے ہیں نہ یہاں سے آسمانوں پر جاتے ہیں۔ یہ سب جھوٹی باتیں پھیلا دی گئی ہیں۔ یہ رات بندوں کی اپنے رب سے قربت اور دعاؤں کی قبولیت کی رات ہے، اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ شب قدر ہے تو میں کیا دعا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دعا کرنا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي

"اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، پس تو مجھے بھی معاف کر دے۔" (۱۳۶)

نبی ﷺ نے صرف اتنی ہی دعا بتائی، اس میں تین مرتبہ "یا غفور" کا اضافہ نہیں فرمایا جو کہ بعد کی ایجاد ہے۔ اسی

طرح آپ ﷺ نے شبِ قدر میں مخصوص سورتوں کے ساتھ نوافل ادا کرنے کا کوئی مخصوص طریقہ تعلیم نہیں فرمایا بلکہ مَنْ قَامَ (جس نے قیام کیا) کہہ کر اس کو عام رکھا ہے کہ ہر کوئی جس طرح چاہے نوافل پڑھے۔ اس رات میں مخصوص سورتوں اور کلمات کے ساتھ مخصوص انداز و تعداد میں نوافل ادا کرنے کی روایتیں، جن میں بے انتہا فضائل بیان کئے جاتے ہیں، بشمول صلوٰۃ التسبیح، صوفیوں کی ایجادیں ہیں۔ احادیثِ صحیحہ و آثارِ صحابہؓ میں ان کا کوئی ثبوت نہیں۔

اعتکاف

اعتکاف کے لفظی معنی ہیں ٹھہرنا، رکنا، قیام کرنا۔ اصطلاحاً مسجد میں عبادت کی غرض سے ٹھہر جانے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ رمضان کی عبادتوں میں سے ایک عبادت اعتکاف بھی ہے۔ نبی ﷺ ہر سال رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے تھے۔ (۱۳۷) ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں برابر اعتکاف فرماتے رہے یہاں تک کہ آپؐ کی وفات ہوگئی، پھر آپؐ کی ازواج نے اعتکاف کیا۔ (۱۳۸) اس وقت کو آپ ﷺ زیادہ سے زیادہ عبادت میں گزارتے۔ راتوں کو جاگتے تھے۔ (۱۳۹) اس عشرے میں آپ ﷺ عبادت میں اتنی محنت کرتے تھے جو اور دنوں میں نہ کرتے۔ (۱۴۰) اعتکاف کی جہاں یہ فضیلت ہے کہ بندہ تمام مصروفیات سے کنارہ کش ہو کر اپنے رب کی عبادت کے لئے یکسو ہو جاتا ہے، وہیں وہ بہت سی معصیتوں سے بھی بچا رہتا ہے۔ اعتکاف مسجد میں ہوتا ہے۔ (۱۴۱) اعتکاف کے لئے کپڑے وغیرہ کے خیمے لگائے جانے چاہئیں (۱۴۲) جس میں بستر بھی بچھایا جا سکتا ہے۔ (۱۴۳) صحاح کی بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ نبی علیہ السلام صلوٰۃ الفجر کے بعد اپنے معتکف میں داخل ہوتے۔ اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ اعتکاف کی ابتداء بیسویں روزے کی فجر سے ہوتی ہے۔ بخاری و مسلم کی روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات تک آخری عشرے ہی میں اعتکاف فرمایا ہے اور آخری عشرہ تو اکیسویں شب سے شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا مسنون طریقہ یہی ہے کہ اعتکاف کی ابتداء آخری عشرہ شروع ہونے سے پہلے کی جائے جو بیسویں روزے کے افطار کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بیسواں روزہ اعتکاف میں ہی افطار کیا جائے۔ مُعْتَکِف (اعتکاف کرنے والا) بلاضرورت مسجد سے باہر نہ جائے۔ (۱۴۴) اگر مسجد میں کھانے پینے یا حوائجِ ضروریہ کا بندوبست نہیں ہے تو ان کے لئے مسجد سے باہر جا سکتا ہے۔ (۱۴۵) معتکف سے اس کے رشتے دار، بیوی وغیرہ ملنے مسجد آ سکتے ہیں۔ (۱۴۶) عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کا اعتکاف میں سر دھویا اور کنگھی کی۔ (۱۴۷) جب سر دھلوایا جا سکتا ہے تو دھویا بھی جا سکتا ہے۔ اس لئے معتکف بوقتِ ضرورت اعتکاف کی حالت میں غسل بھی کر سکتا ہے اگر مسجد میں انتظام ہو۔ اگر ضرورت نہ ہو تو اعتکاف کا زیادہ سے زیادہ وقت مقامِ اعتکاف ہی میں گذارا جائے اور اپنی جگہ سے بغیر ضرورت کے نہ ہٹے۔ مردوں کی طرح عورتیں بھی اعتکاف کر سکتی ہیں لیکن گھر میں، مسجد میں نہیں۔

ماہ مبارک میں انفاق

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سچے مومنوں کے جو اوصاف جگہ جگہ بیان کئے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اولاد آدم ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، اس لئے ان میں باہم شفقت و محبت ہونا ضروری ہے، بالخصوص مومن بھائیوں میں۔ اس کا فطری تقاضا یہ ہے کہ مومن صائم کے دل میں ایک مسکین کی ضرورت کا احساس ہو اور اس کو پورا کرنے کے لئے اپنی محنت و مشقت کی کمائی میں سے کچھ خرچ کرے۔ یہ احساس اس ماہ مبارک میں زیادہ شدید ہو جاتا ہے جبکہ بھوک، پیاس، عبادات اور قیام اللیل زیادہ سے زیادہ تقرب الی اللہ کا سبب بنتی ہیں تو خیر کے کاموں میں آگے بڑھنے کا شوق اور عزم و حوصلہ بھی بڑھتا ہے۔

نبی ﷺ کی عبادات وغیرہ کی شدت کا اندازہ اوپر بیان کی گئی حدیث سے ہوتا ہے اور انفاق اور دیگر خیر کے کاموں میں آپ ﷺ کی تیزی و تندہی کا نقشہ مندرجہ ذیل حدیث پیش کرتی ہے:

> عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں (خصوصاً) بہت زیادہ سخاوت فرماتے جبکہ جبریلؑ آپؐ سے ملاقات فرماتے، اور جبریلؑ رمضان کی ہر رات میں آپؐ سے ملاقات کرتے اور قرآن کا دور فرماتے تھے، اور ان دنوں میں آپؐ کی سخاوت (بارش لانے والی) تیز ہوا سے بھی زیادہ ہوتی۔ (۱۴۸)

غرضیکہ جو اللہ کے بندے اپنے رب کی رحمت و مغفرت کے زیادہ سے زیادہ طلبگار ہیں، ان کو اس ماہ مبارک کی سعادت کے حصول میں اس پہلو سے بھی کوتاہی نہ کرنی چاہئے۔ اس مہینے میں ہر عملِ خیر کا اجر بہت بڑھا چڑھا کر ملتا ہے اس لئے اس مہینے کو زکوٰۃ و صدقات کے لئے مخصوص کیجئے، اور صدقۃ الفطر کو عید الفطر سے پہلے ادا کیجئے تاکہ مستحقین عید کی تیاری میں اس کو استعمال کریں۔ اپنے بھائیوں کی مدد کے ذریعے رب کریم کی مغفرت و رحمت کا حقدار بن جانے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

صدقۃ الفطر روزوں کی زکوٰۃ ہے جس کے ذریعے روزوں میں ہو جانے والی تقصیرات کا تزکیہ و ازالہ کیا جاتا ہے۔ یہ صدقہ ہر مسلم مرد عورت، چھوٹے بڑے سب پر ہے۔ (۱۴۹) صحابہ کرامؓ جو، گندم، کھجور، کشمش وغیرہ سے ایک صاع صدقۃ الفطر دیا کرتے تھے۔ (۱۵۰) صحاح کی بعض روایات سے نصف صاع گندم کی مقدار بھی ثابت ہے (۱۵۱) اور مسلم کی روایت میں معاویہ و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (۱۵۲) اسطرح نصف صاع گندم صدقۃ الفطر کی بھی احادیث کی رو سے گنجائش موجود ہے۔ لیکن صاحبِ استطاعت ایک صاع ادا کریں تو بہتر ہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ صاع کے تعین میں بھی کچھ اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ایک صاع چار مُد لیا جاتا ہے جو تقریباً پونے تین کلوگرام ہوتا ہے، جبکہ دوسروں کے نزدیک ایک صاع پانچ مُد لیا جاتا ہے جو تقریباً ساڑھے تین کلوگرام ہوتا ہے۔ عراقی اور شامی اوزان میں بھی کچھ فرق ہے۔ بہر حال احتیاط کے پیشِ نظر بڑا وزن اختیار کرنا قابلِ ترجیح ہے۔

اللہ تعالیٰ سے پرخلوص دعا ہے کہ وہ ہمیں اس ماہ مبارک کی سعادتیں اور برکتیں سمیٹنے، اپنے اخلاق و کردار، سیرت و اطوار سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے اندر اپنے متقی و مومن بندوں کے اوصاف پیدا کرے اور اس رحمت و برکت کے مہینے کی تربیت سے ہمارے حسنِ اخلاق اور نیک اعمال کی روش میں مدلومت ہو! آمین

حوالہ جات

(۱) صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب صلوٰۃ اللیل۔ (۲) سورۃ القدر۔ (۳) بیہقی، بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الصوم۔ (۴) صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۱۸۹۔ (۵) ایضاً۔ (۶) جامع ترمذی، ابواب الصوم، باب ۱ / سنن ابن ماجہ،

کتاب الصیام، باب عمر (۷) صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب عمرۃ فی رمضان۔ (۸) بخاری، کتاب الصوم باب ۱۱۹۳ (۹) ...انی ۔ ۸۲ ۔ (۱۰) الحجرات ۱۵۔ (۱۱) المائدۃ ۳۔ (۱۲) آل عمران ۱۹۔ (۱۳) آل عمران ۸۵۔ (۱۴) بخاری و مسلم، بحوالہ مشکوۃ باب الاعتصام / مسلم، کتاب الاقضیہ، باب نقض الاحکام الباطلہ۔ (۱۵) الکہف ۱۰۴۔ الدھر ۲۔ (۱۶) بخاری، کتاب الایمان، باب ۳۴، کتاب الصوم، باب ۱۱۸۵۔ (۱۷) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲۱۷۔ (۱۸) ایضاً۔ (۱۹) ایضاً، باب ۱۲۲۰۔ (۲۰) ترمذی، ابواب الصوم، باب رخصۃ فی الصوم فی السفر۔ (۲۱) ابوداؤد، کتاب الصوم، باب ۲۲۲۔ (۲۲) بخاری، کتاب الصوم باب ۱۲۱۹۔ (۲۳) متفق علیہ، کتاب الصوم، باب صوم المسافر۔ (۲۴) نسائی، کتاب الصیام، باب ۱۲۰۸ / ترمذی، ابواب الصوم، باب رخصۃ فی الافطار للحبلی والمرضع / ابوداؤد، کتاب الصوم باب ۲۲۱۔ (۲۵) کتاب الحیض، باب ۲۰۸، کتاب الصوم، باب ۱۲۲۳۔ (۲۶) صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض دون الصلوۃ۔ (۲۷) مؤطاء امام مالک، باب فدیۃ من افطر فی رمضان۔ (۲۸) ابوداؤد، کتاب الصیام، باب ۲۱۹۔ (۲۹) ترمذی، ابواب الصوم، باب الکفارۃ۔ (۳۰) مؤطاء امام مالک، کتاب الصوم، باب فدیۃ۔ (۳۱) مؤطاء امام مالک، بحوالہ مشکوۃ، کتاب الصوم، باب القضاء۔ (۳۲) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب ۲۔ (۳۳) ایضاً، باب ۳۷، حدیث جبرئیل۔ (۳۴) ایضاً، باب ۳۰۔ (۳۵) بخاری، کتاب الصوم باب ۱۱۸۶۔ (۳۶) ایضاً باب ۱۱۹۳۔ (۳۷) ایضاً، باب ۱۱۸۸۔ (۳۸) ترمذی، ابواب الصوم، باب صوم ثلثۃ من کل شھر۔ (۳۹) بخاری، کتاب الصوم باب ۱۱۸۷۔ (۴۰) مسلم، کتاب الطہارۃ باب فضل الوضوء۔ (۴۱) بخاری، کتاب الایمان، باب ۲۸۔ (۴۲) بخاری، کتاب الصوم باب ۱۱۹۲۔ (۴۳) سنن دارمی، بحوالہ مشکوۃ، کتاب الصوم، باب تنزیہ الصوم، فصل ثانی۔ (۴۴) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۱۹۵۔ (۴۵) ابوداؤد، کتاب الصوم، باب ۱۸۴۔ (۴۶) ترمذی، ابواب الدعوات، باب مایقول عند رویۃ الھلال۔ (۴۷) ترمذی، ابواب الصوم، باب احصاء ھلال شعبان لرمضان۔ (۴۸) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۱۹۵ / ترمذی، ابواب الصوم، باب کراھیۃ الصوم یوم الشک۔ (۴۹) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۱۹۸۔ (۵۰) ابوداؤد، کتاب الصوم، باب ۱۹۲۔ (۵۱) مسلم، کتاب الصوم، باب لکل بلد رؤیتھم۔ (۵۲) ابوداؤد، کتاب الصوم، باب ۱۹۱۔ (۵۳) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۱۹۹ / ابوداؤد، کتاب الصوم، باب ۱۷۹۔ (۵۴) مسلم، کتاب الصیام، باب بیان ان دخول الصوم یحصل بطلوع الفجر۔ (۵۵) مؤطاء امام مالک، کتاب الصلوۃ، باب وضع الیدین۔ (۵۶) ابوداؤد، کتاب الصوم، باب ۱۹۶۔ (۵۷) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲۰۱۔ (۵۸) مسلم، کتاب الصیام، باب بیان ان دخول الصوم یحصل بطلوع الفجر / ابوداؤد، کتاب الصیام، باب ۱۹۵۔ (۵۹) بخاری، کتاب الصوم، باب برکۃ السحور ۱۲۰۳۔ (۶۰) مسلم، کتاب الصیام، باب فضل السحور والتبکیر / ابوداؤد، کتاب الصیام، باب ۱۹۳۔ (۶۱) ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب ۲۳۸۔ (۶۲) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲۳۱۔ (۶۳) ابوداؤد، کتاب الصیام، باب ۱۹۴۔ (۶۴) ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوۃ، باب ۱۷۳ قیام شھر رمضان۔ (۶۵) ایضاً، کتاب الصیام، باب السحور۔ (۶۶) ابوداؤد، بحوالہ مشکوۃ، کتاب الصیام، باب بیان السحر۔ (۶۷) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲۰۵۔ (۶۸) مسلم، کتاب الصیام، باب وقت انقضاء الصوم۔ (۶۹) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲۲۶۔ (۷۰) ایضاً، باب ۱۲۲۸۔ (۷۱) ابوداؤد، کتاب الصیام، باب ۱۹۸۔ (۷۲) متفق علیہ، کتاب الصوم / ابوداؤد، کتاب الصوم، باب ۱۹۷۔ (۷۳) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲۲۹۔ (۷۴) ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب الصائم لاتردد قبلہ۔ (۷۵) ابوداؤد، کتاب الصیام، باب ۲۰۰۔ (۷۶) ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب ۳۸۔ (۷۷) ابوداؤد، کتاب الصیام، باب ۱۹۹ / ترمذی، ابواب الصوم، باب مایستحب علی الافطار۔ (۷۸) ایضاً۔ (۷۹) ابوداؤد، کتاب الصیام باب ۲۰۰۔ (۸۰) ابن ماجہ، کتاب الصیام باب ثواب من فطر صائما۔ (۸۱) ایضاً۔ (۸۲) دارمی، بحوالہ مشکوۃ، کتاب الصوم باب تنزیہ الصوم، فصل ثانی۔ (۸۳) ترمذی، ابواب الدعوات، صفحہ ۶۹۷، مطبوعہ محمد علی، کارخانہ اسلامی کتب، اردو بازار، کراچی۔ (۸۴) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲۰۶ / ابن ماجہ، کتاب الصوم، باب ۲۷۔ (۸۵) ابوداؤد، کتاب الصیام، باب ۲۱۰ / ترمذی، ابواب الصوم، باب من استقاء عمدا / دار قطنی، کتاب الصیام، باب القبلۃ للصائم، جلد ۲، صفحہ ۱۸۳۔ (۸۶) دار قطنی ایضاً۔ (۸۷) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲۱۰۔ (۸۸) ابوداؤد، کتاب الصیام، باب ۲۰۳ / ترمذی، ابواب الصوم، باب تشدید فی القیء للصائم۔ (۸۹) ابوداؤد، کتاب الصیام، باب ۲۰۳۔ (۹۰) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲۱۴ / ابوداؤد، کتاب الصیام، باب ۲۰۳۔ (۹۱) ابوداؤد، کتاب الصوم، باب ۲۰۹ / بخاری ایضاً۔ (۹۲) بخاری، کتاب الصوم، ابواب ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲۔ (۹۳) ترمذی، ابواب الصوم، باب کراھیۃ مبالغۃ الاستنشاق للصائم۔ (۹۴) ایضاً، باب قضاء الحائض الصیام۔ (۹۵) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲۳۰۔ (۹۶) ترمذی، ابواب الصوم، باب فضل الصائم تؤاکل عندہ۔ (۹۷) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲۲۳۔ (۹۸) مؤطاء امام مالک، کتاب الصوم، باب قضاء رمضان والکفارات۔ (۹۹) البقرۃ ۱۷۳، المائدۃ ۳۔ (۱۰۰) ترمذی، ابواب الصوم، باب الافطار متعمدا۔ (۱۰۱) ایضاً، باب ایجاب القضاء علیہ۔ (۱۰۲) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲۱۴۔ (۱۰۳) مؤطاء امام مالک، کتاب الصوم، باب کفارۃ من افطر فی رمضان۔ (۱۰۴) ایضاً باب فدیۃ من افطر فی رمضان۔ (۱۰۵) ایضاً باب قضاء رمضان والکفارات۔ (۱۰۶) ترمذی، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ اللیل۔ (۱۰۷) مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب جواز النافلۃ قائما وقاعدا۔ (۱۰۸) ایضاً۔ (۱۰۹) ایضاً۔ (۱۱۰) ابوداؤد، کتاب صلوۃ المسافر، پارہ ۸، باب قیام اللیل ۴۵۹۔ (۱۱۱) ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوۃ، باب ۱۷۳۔ (۱۱۲) بخاری، کتاب الایمان، باب ۲۸، کتاب الصوم، باب ۱۲۵۳۔ (۱۱۳) مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب الترغیب۔ (۱۱۴) ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب ۳۷۱۔ (۱۱۵) ایضاً۔ (۱۱۶) مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب الترغیب۔ (۱۱۷) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲۵۳۔ (۱۱۸) بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عمر، حدیث ۷۷۸، ۷۸۸۔ (۱۱۹) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲۵۳۔ (۱۲۰) بخاری، کتاب التھجد، باب ۷۲۴۔ (۱۲۱) بخاری ایضاً، مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب صلوۃ اللیل۔ (۱۲۲) مؤطاء امام مالک، کتاب الصلوۃ باب قیام رمضان۔ (۱۲۳) ایضاً (۱۲۴) ایضاً (۱۲۵) ایضاً (۱۲۶) بخاری، کتاب التھجد، باب ۷۳۲۔ (۱۲۷) مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین۔ (۱۲۸) بخاری، کتاب الصوم باب ۱۲۴۱۔

باقی صفحہ ۳۰ کالم ۳ پر

سلیمان علیہ السلام

سعید احمد

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے حالات و واقعات مومنین کی نصیحت و موعظت اور تقویت قلب اور اصلاح فکر و عمل کے لئے بیان فرمائے ہیں:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿ (ھود ۱۲۰)

"اور رسولوں کے وہ تمام حالات جو ہم نے تم سے بیان کئے ہیں ان کے ذریعے سے ہم تمہارے دلوں کو مضبوط رکھتے ہیں اور ان میں تمہیں حق ملا ہے، اور یہ مومنین کے لئے نصیحت و موعظت ہے۔"

مگر افسوس کہ ہمارے یہاں بھی قدیم یونانی قوموں کی طرح قصص الانبیاء کو افسانہ طرازی اور حاشیہ آرائی کر کے دیومالائی قصے کہانیاں بنا دیا گیا ہے۔ اس طرح ان کو محض دلچسپی اور وقت گذاری کا سامان بنا کر رکھ دیا، اور مطالعہ کرنے والوں کو ان کے نصیحت و موعظت کے عظیم مقاصد سے یکسر محروم کر دیا گیا۔ قرآن و سنت میں انبیاء کے حالات و واقعات اور پیشہ ور مولویوں کی مرتب کردہ "قصص الانبیاء" میں وہی فرق ہے جو اللہ کی محفوظ اور غیر متبدل کتاب قرآن مجید اور محرف شدہ دیگر الہامی کتابوں کے درمیان ہے اور جو موجودہ شکل میں بکثرت مقامات پر کذب و افتراء سے معمور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے احسان فراموش فاسق و فاجر قوموں کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر لگائے گئے جھوٹے، بے بنیاد، گھناؤنے اور شرمناک الزامات کے داغ دھبوں کو صاف کر کے ان پاکیزہ شخصیات کے اصلی اور صاف و شفاف کردار کو انسانوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ مگر افسوس ہے امت کے مولویوں اور مفسرین پر جنہوں نے اسرائیلی روایات کو قرآن کی تفاسیر میں ایسا سمویا کہ انبیاء کے کردار اسرائیلی روایات کے عین مطابق نظر آنے لگے۔

سلیمان علیہ السلام بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے۔ آپ پر بھی آپ کی قوم نے مختلف جھوٹے اور شرمناک الزامات عائد کئے اور ہمارے مفسرین نے ان کو معمولی تبدیلی کے ساتھ قبول کر کے تفاسیر کا حصہ بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فقید المثال حکومت و اقتدار اور معجزات سے نوازا تھا۔ اس پر حاشیہ آرائی اور فن افسانہ نویسی کا خوب خوب مظاہرہ کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی عظیم الشان حکومت و اقتدار جادو وغیرہ کی مرہون منت تھی، حالانکہ ہرگز ہرگز ایسا نہ تھا۔ البتہ سلیمان علیہ السلام کے دور میں سحر و ساحری کا بازار ضرور تھا اور بعد میں شیاطین ان کی سلطنت کا نام لے کر شیطانی کلمات پڑھتے تھے اور توہمات اور فاسد عقائد کو پھیلاتے تھے۔ قرآن ان کی غلط روش کی تصویر پیش کرتا ہے:

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ (البقرۃ ۱۰۲)

"اور وہ ان چیزوں کی پیروی کرنے لگے جو شیاطین سلیمان (علیہ السلام) کی سلطنت کا نام لے کر پڑھا کرتے تھے، اور سلیمان نے تو کفر نہیں کیا تھا یہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے جو لوگوں کو سحر سکھایا کرتے تھے۔"

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج اس نام نہاد امت مسلمہ کا بھی سلیمان علیہ السلام کے متعلق ایسا ہی خیال ہے۔ چنانچہ جادو ٹونے کے ان شیطانی اعمال کو "عملیات سلیمانی" اور "نقوش سلیمانی" وغیرہ کے نام سے مرتب کر کے کتابیں فروخت کی جاتی ہیں۔ بازار میں ان کے یہاں بھی سلیمانی ٹوپی اور سلیمان علیہ السلام کی جادوئی انگشتری مشہور ہے۔ بہر کیف قرآن نے صحیح صورت حال پیش کر دی ہے۔

قرآن انبیاء علیہم السلام کے حالات و واقعات کے متعلق بتاتا ہے کہ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ یعنی اس قرآن کے ذریعے آپ کو حق مل گیا ہے۔ ذیل کی سطور میں اس حق کی روشنی میں سلیمان علیہ السلام کے حالات و واقعات پیش کئے جا رہے ہیں۔

سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ آپ کو اللہ نے داؤد علیہ السلام کا وارث قرار دیا ہے۔ اس طرح حکومت و اقتدار اور نبوت دونوں آپ کو ورثے میں ملیں، حالانکہ نبوت کوئی موروثی چیز نہیں کہ نسل در نسل چلتی رہی ہو، یہ تو خالصتاً عطائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو پسند فرماتا ہے اس کو اس منصب پر فائز کرتا ہے۔ لاریب، سلیمان علیہ السلام اللہ کے منتخب بندے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین بندہ قرار دیا ہے:

وَوَهَبْنَا لِدَاوُودَ سُلَيْمَانَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۚ (سورۃ ص ۳۰)

"اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو سلیمان (علیہ السلام) عطا کیا، وہ بہترین بندہ تھا۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنے کسی بندے کو بہترین بندہ قرار دینا معمولی بات نہیں، بلکہ یہ تو بہت بڑا اعزاز ہے جو مالک الملک کی طرف سے سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوا۔ ویسے تو حکومت و اقتدار انہیں ورثے میں ملی تھی، مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ایسی حکومت اور جاہ و حشم سے نوازا گیا جس کی کوئی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ داؤد علیہ السلام کے بعد جب سلیمان علیہ السلام کو حکومت ملی تو اللہ نے ان کی ویسی ہی آزمائش کی جیسا کہ وہ دیگر انبیاء کی کرتا رہا ہے:

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ﴿ (ص ۳۴)

"اور بے شک ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو آزمایا، اور اس کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا، پھر انہوں نے رجوع کیا۔"

سلیمان علیہ السلام کی اس آزمائش کی تفصیل قرآن و حدیث میں نہیں آئی ہے اور نہ ہی کسی پر ڈالے گئے جسم کی تفصیل بیان ہوئی ہے، لہٰذا ہم بھی اس پر اپنی طرف سے کچھ قیاس آرائی اور خامہ فرسائی مناسب نہیں سمجھتے۔ ہمارے مفسرین نے اپنی عادت کے مطابق اس کی تفسیر میں اسرائیلی کی ایک روایت کو چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے، جس میں سلیمان علیہ السلام کی ایک رات میں اپنی تمام بیویوں کے پاس جانے اور ان میں سے ہر ایک کے یہاں ایک نرینہ اولاد ہونے کا واقعہ مذکور ہے۔

بظاہر یہ دونوں الگ الگ باتیں یا واقعات ہیں (اور اللہ کے نبی ﷺ نے ان کی تفسیر کرتے ہوئے اس واقعہ کو بیان نہیں فرمایا ہے۔ یہ مفسرین کی ذاتی اختراع ہے۔ یہ حدیث کے واقعے کو ان آیات کی تفسیر پر چسپاں کرتے رہے ہیں۔ احادیث میں بیان کردہ واقعے کو کہیں بھی زیر بحث آیت کی تفسیر کے طور پر ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی کوئی ایسا اشارہ ملتا ہے، لہٰذا اسرائیلی کے واقعہ کو اس آیت پر چسپاں کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ بہر حال اس آزمائش پر انبیاء کی سنت کے مطابق سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی طرف رجوع کیا، پہلے مغفرت طلب کی اور پھر فقید المثال حکومت کے لئے دعا کی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿ (ص ۳۵)

"(سلیمان علیہ السلام نے) کہا کہ میرے رب مجھ کو معاف کردے اور مجھ کو ایسی مملکت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو بھی حاصل نہ ہو بے شک تو ہی دینے والا ہے۔"

سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی بے مثال حکومت عطا کی جو کسی کے حصے میں آئی اور نہ ہی آئے گی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ﴿ وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿ (ص ۳۶ تا ۳۹)

"پھر ہم نے ہوا کو اس کے لئے مسخر کردیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہے ان کے حکم سے نرم نرم چلے تھی اور شیاطین کو بھی ان کے لئے مسخر کردیا، وہ ہر طرح کے معمار اور غوطہ خور تھے اور دیگر کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ (ہم نے ان سے کہا) یہ ہماری دین ہے، (چاہو تو) احسان کرو (چاہو تو) رکھ چھوڑو، (تم سے) حساب نہیں ہوگا۔"

دعا کی قبولیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے یہاں ان کے تقرب اور اعلیٰ مقام کا ذکر بھی فرمادیا۔ چنانچہ فرمایا:

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿ (ص ۴۰)

"اور بیشک اس کیلئے ہمارے یہاں تقرب اور محمود مقام ہے۔"

قرآن کے دیگر مقامات پر سلیمان علیہ السلام پر اللہ کی عطا کی مزید تفصیل بیان ہوئی ہے:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿ (سبا ۱۲، ۱۳)

"اور (ہم نے) ہوا کو سلیمان (علیہ السلام) کے تابع کردیا تھا، اس (ہوا) کی صبح کی حرل ایک مہینے کی راہ ہوتی اور شام کی حرل بھی مہینے کی ہوتی، اور ان کے لئے ہم نے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہادیا تھا، اور جنوں میں سے ایسے بھی تھے جو ان کے رب کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے، اور جو کوئی بھی ان میں سے ہمارے حکم سے پھرتا، اس کو ہم آگ کا مزہ چکھاتے، وہ (سلیمان) جو چاہتے یہ (جن) ان کے لئے بناتے یعنی قلعے اور تماثیل، اور حوض جیسے بڑے بڑے لگن اور دیگیں جو ایک ہی جگہ رکھی رہیں۔ اے داؤد (علیہ السلام) کی اولاد! شکر کرو، اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہی ہیں۔"

سورۃ الانبیاء میں یہی بات یوں القاظ آئی ہے:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿ (الانبیاء ۸۱، ۸۲)

"ہم نے تند و تیز ہوا کو سلیمان (علیہ السلام) کے تابع کردیا جو ان کے فرمان کے مطابق اس زمین کی طرف چلتی تھی جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی، اور ہم ہر چیز کا علم رکھنے والے تھے۔ اور بعض شیاطین بھی ہم نے ان کے تابع کردئے تھے جو ان کے فرمان سے غوطے لگاتے تھے اور اس کے سوا اور بھی بہت سے کام کرتے تھے۔ اور ان کے نگہبان ہم ہی تھے۔"

ان آیات کی تفسیر میں ہمارے مفسرین نے سلیمان علیہ السلام کے لئے "تسخیر ریح" یعنی ہوا کو مسخر کرنے یا تابع کرنے کی کئی صورتیں بیان کی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام تخت پر بیٹھ جاتے اور ہوا ان کے حکم کے مطابق تخت کو اڑاتی ہوئی وہاں لے جاتی جہاں وہ جانا چاہتے، اور کوئی کہتا ہے کہ ان دنوں بڑی سفر ہواؤں کی جہت پر ہی منحصر تھا۔ بڑی سفر کے لئے ہوا ان کے حکم کے مطابق ان ضرورتوں کے مطابق چلتی تھی، وغیرہ وغیرہ۔ قرآن نے ہوا کو تابع فرمان کرنے کی کوئی صورت نہیں بتائی، سوائے اس کے کہ ان کے حکم کے مطابق چلتی اور جہاں وہ جانا چاہتے ان کو پہنچاتی تھی، نیز یہ کہ وہ جب چاہتے تو صبح کو ایک ماہ کی مسافت طے کرلیتے اور جب چاہتے شام کو ایک ماہ کی مسافت کے برابر فاصلہ طے کرلیتے، یعنی ہوا اتنی تیز رفتاری کے باوجود نرم رفتار تھی چنانچہ سفر باعث راحت تھا، دشوار گزار نہ تھا۔ بہر کیف یہ تو ہے قرآن کی بات، اور حدیث میں بھی اس کی کوئی تفصیل بیان نہیں ہوئی۔ قرآن میں جس قدر بیان ہوا ہے ایمان والوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ ویسے بھی اس کے متعلق اس سے زیادہ جاننا بھی کچھ ضروری نہیں۔ البتہ یہ بات واضح ہوگئی کہ سلیمان علیہ السلام کی بے مثال حکومت کی امتیازی باتوں میں سے ایک "تسخیر ریاح" تھی، اور ہمیں اس کو بغیر تاویل اسی طرح تسلیم کرلینا چاہیے جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے۔

اوپر پیش کی گئی آیات میں دوسری اہم بات شیاطین اور جنات کا سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کرنا بیان ہوئی ہے۔ اس بات کو ذرا اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ جنوں پر ان کا یہ تسلط و اقتدار اللہ کے حکم کے مطابق تھا اور خاص انہی کے لئے تھا، اور یہ فقید المثال شرف و امتیاز بھی ان کی دعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا، چنانچہ فرمایا:

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿ (سبا ۱۲)

"اور اس کے رب کے حکم سے بعض جنات اس کی (غیبی) میں اس کے سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو بھی ہمارے حکم سے سرتابی کرتا (تو) ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھاتے۔"

یہ آیت اور دیگر آیات صاف بتا رہی ہیں کہ یہ معاملہ سلیمان علیہ السلام کے لئے خاص تھا، مگر آج ہمارے یہاں اس کو جواز بنا کر ہمارے پیر اور مولوی نے علمائے یہود کی روش اختیار کرلی ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے (البقرۃ ۱۰۲)

اور وہ روحانی عامل بن کر جنوں کے اوپر تسلط رکھنے کے دعویدار بن بیٹھے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میرے قبضے میں اتنے جن ہیں کوئی کہتا ہے میرے قبضہ میں اتنے ہیں۔ ایک دو جن قبضے میں رکھنے والے تو بہت سے پائے جاتے ہیں۔ جنوں کو بوتلوں میں بند کر کے رکھنے کے بھی دعوے کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے ان جھوٹے اور بے بنیاد دعووں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بے شمار روحانی مطب کھول کر اپنی دکانیں چمکائی ہوئی ہیں، جہاں پر یہ "روحانی عاملین" آنے والے لوگوں پر جنوں کے سوار ہونے کی تشخیص کرتے ہیں اور جن اتارنے کے بہانے مال اور عزت لوٹتے ہیں! یہ خالص فریب ہی فریب ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن کے مطابق جنات انسان سے بالکل جدا ایک دوسری مکلف مخلوق ہے اور ان کا دائرہ کار انسان کے دائرہ کار سے قطعی مختلف ہے، اور وہ انسانوں کے لئے غیر مرئی اور غیر حسی ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا سلیمان علیہ السلام کے لئے جنوں کو مسخر کرنا اور ان پر آپ کا تسلط ہونا خاص انہی کے لئے تھا۔ یہ حقیقت نبی ان کا معجزہ تھا جو ان کی دعا کی قبولیت کی وجہ سے اللہ کی طرف سے عطا کیا گیا تھا۔

ایک طرف تو ان آیات سے پیشہ وروں نے "روحانی عمل" کا جواز حاصل کیا تو دوسری طرف انکار حدیث کا ذوق رکھنے والے ملاحدہ نے جو معجزے کے بھی انکاری ہیں اور جنوں کے وجود کے بھی، ان آیات کی بہت ہی مضحکہ خیز تاویل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی نظر میں سلیمان علیہ السلام کے تابع جنوں سے مراد قوی ہیکل انسان ہیں، جبکہ "ہدہد" کسی ذمہ دار شخص کا نام ہے۔ یہ بلاشبہ کتاب اللہ کی آیات سے صرف نظر کرتے ہوئے من مانی تاویل کے ذریعہ کتاب اللہ کے ساتھ بدترین مذاق کیا گیا ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ قرآن نے تو "جن" کو علیحدہ مخلوق کہا ہے (سورہ الذاریات، الرحمن، وغیرہ) اور "ہدہد" کو پرندہ کہا ہے۔ اس کی مزید تفصیل آئندہ صفحات میں آئیگی۔

سورہ سبا کی درج بالا آیت نمبر ۱۳ میں آپ نے دیکھا کہ جنات سلیمان علیہ السلام کے لئے دیگر چیزوں کے علاوہ تماثیل بھی بنایا کرتے تھے۔ اس پر بھی ہمارے مفسرین نے بہت سی خامہ فرسائیاں کی ہیں۔ انہی میں سے ایک یہ ہے کہ جنات سلیمان علیہ السلام کے لئے مجسمے اور مورتیاں بنایا کرتے تھے اور ان کی شریعت میں اس کی ممانعت نہیں تھی۔ کیسی عجیب و غریب بات ہے یہ! امت اور مورتیاں تو ہمیشہ سے ہی پوجا پاٹ کا سامان اور بدترین شرک کی جڑ بنیاد بنی رہی ہیں۔ بھلا شرک کا بنیادی سبب بننے والی چیزوں کی دین میں چھوٹ کیسے دی جاسکتی ہے! سلیمان علیہ السلام سے قبل نازل ہونے والی کتاب توریت میں اس کی بڑی شدت سے نہی آئی ہے۔ توریت میں نہ صرف اس کام سے روکا گیا ہے بلکہ اس کام کے کرنے والے پر لعنت تک کی گئی ہے:

"اور تم اپنے لئے مصنوعی بت نہ بنانا اور نہ کوئی تراشی ہوئی مورت یا لاٹ اپنے لئے کھڑی کرنا اور نہ اپنے ملک میں کوئی شبیہ دار پتھر رکھنا کہ اسے سجدہ کرو، اس لئے کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔" (احبار باب ۲۶)

"لعنت ہو کہ تم جا کر کسی مثل یا صورت کی کھودی ہوئی مورت اپنے لئے بناؤ جس کی شبیہ کسی مرد یا عورت یا زمین کے کسی حیوان یا ہوا میں اڑنے والے پرندے یا زمین کے رینگنے والے جاندار یا مچھلی سے جو زمین کے نیچے پانی میں رہتی ہے ملتی ہو۔" (استثناء باب ۴)

"لعنت ہو اس آدمی پر جو کاریگری کی صنعت کی طرح کھودی ہوئی یا ڈھالی ہوئی مورت بنائے جو خداوند کے نزدیک مکروہ ہے اس کو کسی پوشیدہ جگہ نصب کرے اور سب لوگ جواب دیں اور کہیں آمین۔" (استثناء باب ۲۷)

معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام سے قبل اتاری گئی کتاب میں مورتیاں اور مجسمے بنانے کی سختی سے ممانعت کر دی گئی تھی۔ اس ممانعت کے بعد سلیمان علیہ السلام کے متعلق یہ کہنا کہ وہ جنات سے مورتیاں اور مجسمے بنواتے تھے اور ان کی شریعت میں ایسا کرنا جائز نہ تھا سراسر افسانہ بلکہ نبی پر بہتان عظیم ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ قرآن کی آیت میں لفظ "تماثیل" آیا ہے اور اس لفظ کو یہ محض مجسمے اور مورتیوں کے معنوں میں ہی سمجھتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ عام ہے اور ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز کے مشابہ بنائی جائے خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان۔ لسان العرب میں ہے:

التمثال اسم للشئ مشبها بخلق من خلق الله

یعنی تمثیل ہر اس شے کا نام ہے جو اللہ کی تخلیق کردہ شے کے مشابہ ہو۔

اب اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے کہ تمثیل انسان کی ہو یا جانور کی، پرندے کی ہو یا درندے کی، کسی بھی جاندار کی ہو یا بے جان کی۔ جب یہ لفظ جاندار اور بے جان دونوں کے لئے ہے تو سلیمان علیہ السلام کے لئے اس سے جاندار کی تماثیل مراد لینا ہی کیوں ضروری ہے؟ دراصل قرآن و حدیث کی تشریح و تفسیر کرتے ہوئے اصول و کلیات اور قرآن و حدیث کے نصوص کو پیش نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے، ان سے صرف نظر کر کے تفسیر کرنا محض گمراہی کو دعوت دینا ہے۔ العیاذ باللہ

بہر حال اللہ تبارک و تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو بے مثل حکومت و اقتدار سے نوازا تھا، یہاں تک کہ جنات پر بھی وہ حکمرانی کرتے تھے اور جنات ان کی خدمت بجالاتے۔ ان کی دعا کی قبولیت پر ان کو دی گئی عظیم الشان حکومت صرف ہواؤں کو مسخر کرنے اور جنوں پر تسلط پر ہی مبنی نہیں تھی بلکہ اس طرح کی اور بے شمار عنایات و اکرام اللہ نے ان پر کی تھیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ نے انہیں علم عطا فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا (النمل ۱۵)

"اور ہم نے داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو علم عطا کیا۔"

علم ایک ایسی نعمت ہے جس کا کوئی اور بدل ممکن ہی نہیں۔ اور سلیمان علیہ السلام کے علم اور حکومت کی شان بھی دیکھئے کہ انہیں پرندوں کی بولی کا علم بھی عطا کیا گیا اور ان پر انہیں اقتدار بھی عطا ہوا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لی جائے کہ یہ علم و اقتدار اس قسم کا نہیں جس میں اکتسابی فن کے ماہرین مخصوص اشاروں کے ذریعے سکھائے ہوئے پرندوں اور دوسرے جانوروں سے کچھ کام لے کر دکھا دیتے ہیں، بلکہ قرآن نے تو واضح پیرائے میں اس بات کو بیان کیا ہے کہ یہ عظیم الشان نعمت معجزے کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی تھی اور اس کا سلیمان علیہ السلام نے کما حقہ اعتراف بھی فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ

فی عبادك الصٰلحین ﴿ (النمل ۱۹ تا ۱۹)

"اور انہوں نے کہا، لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں، اور ہمیں ہر طرح کی چیزیں دی گئی ہیں، واقعی یہ (اللہ ہی کا) نمایاں فضل ہے۔ اور سلیمان (علیہ السلام) کے لئے جن اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے تھے اور وہ پورے ضبط میں رکھے جاتے تھے۔ (اور وہ ایک مرتبہ ان کے ساتھ کوچ کر رہے تھے) یہاں تک کہ جب یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا، اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان (علیہ السلام) اور ان کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ تو سلیمان اس بات پر ہنس پڑے اور کہنے لگے: اے میرے رب مجھے توفیق عطا فرما کہ تیرے اس احسان کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے، اور ایسا عمل صالح کروں جو تجھے پسند آئے، اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے صالح بندوں میں داخل فرما۔"

آیت صاف بتا رہی ہیں کہ پرندوں کی بولیاں سمجھنا اور ان کو احکام دینے کا معاملہ ایسا ہی تھا جیسا انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس میں حیرانی کی بھی کوئی بات نہیں، جن کو عام طور پر بے زبان سمجھا جاتا ہے وہ درحقیقت بولتے ہیں۔ اور کسی کو اس میں بھی اشکال کیوں ہو کہ سلیمان علیہ السلام ایک چیونٹی کی بات سن اور سمجھ سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ صلاحیت عطا فرمائی تھی اور اللہ کو ایسا کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں، وہ تو خالق کل شیء اور قادر مطلق ہے یعنی ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اگر اس کوئی واقع ایسا ہی مان لیا جائے تو پھر کوئی اشکال پیدا نہیں ہو سکتا۔ اشکال پیدا ہونے کی بنیادی وجہ اللہ پر متزلزل ایمان یا مطلق ایمان کا فقدان ہے۔ مغرب کے طرز فکر سے مرعوب اور مادی سوچ رکھنے والوں کا دارومدار عقلیت پر ہوتا ہے، ان کے حلق سے یہ بات کیسے اتر سکتی ہے کہ چیونٹی جیسا چھوٹا جانور جس کی آواز سنائی ہی نہیں دیتی، اس کی آواز کو کوئی اللہ کا بندہ سن اور سمجھ سکتا ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے نمل (چیونٹی) کے نام سے ایک انسانی قبیلہ اختراع کر ڈالا ہے اور "نملہ" کو اس کا ایک فرد قرار دے دیا تاکہ یہ سب انسانوں کا معاملہ بن جائے اور ان کی ناقص عقل میں یہ واقعہ پورا اتر جائے۔ ذرا غور فرمایئے کہ بھلا ایسا کون سا انسانی قبیلہ ہو سکتا ہے کہ جس کو سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر کچل ڈالے اور خود انہیں خبر تک نہ ہو جیسا کہ اس آیت میں چیونٹی کی تقریر میں آیا ہے:

لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ

"کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔"

اس آیت پر ذرا غور کیا جائے۔ اس واقعہ میں ان جانوں کے لئے بھی سبق موجود ہے جو اللہ کے علاوہ دوسری ہستیوں کو بھی عالم الغیب سمجھتے ہیں، خصوصاً انبیاء اور صالحین کو۔ اس کی تو چیونٹی جیسے معمولی جاندار نے بھی نفی کی ہے تبھی تو وہ کہتی ہے کہ

"اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔"

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ بیان کر کے انسان کی عقل و دانش پر سخت نشتر لگایا ہے، چیونٹی کی زبان سے یہ کہلوایا کہ سلیمان علیہ السلام غیب کی باتوں سے بے خبر ہیں، جبکہ احسن تقویم پر تخلیق پانے والے انسان نے اپنے آپ کو اس درجے سے گرا کر اسفل السافلین کے درجے تک پہنچا دیا ہے، اور وہ اللہ کے علاوہ اس کی مخلوق میں سے بے شمار ہستیوں کو غیب کا جاننے والا سمجھتا ہے! گویا ان سے کہا جا رہا ہے کہ تف ہے تم پر اے نادانو! تم چیونٹی جیسے معمولی کیڑے سے سبق حاصل کیوں نہیں کرتے؟

اللہ تعالیٰ نے فہم العبد سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولیوں کے علم کے ساتھ ساتھ ان پر اقتدار بھی عطا کیا تھا۔ اس منفرد اقتدار کی ایک جھلک قرآن میں پیش کی گئی ہے:

وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَالِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ ۫ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىِٕبِیْنَ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿ (النمل ۲۰ تا ۲۶)

"انہوں نے پرندوں کا جائزہ لیا اور کہا: کیا بات ہے، میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے؟ میں اسے سخت سزا دوں گا یا ذبح کر دوں گا، ورنہ اسے میرے سامنے معقول وجہ پیش کرنی ہو گی۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ہدہد آ موجود ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے ایک ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جو آپ کے علم میں نہیں ہے۔ میں آپ کے پاس سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے ایک عورت دیکھی جو اس قوم پر حکمرانی کرتی ہے اور اسے ہر چیز میسر ہے اور اس کا تخت بڑا عظیم الشان ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کے بجائے سورج کو سجدہ کرتی ہے، اور شیطان نے ان کے اعمال خوشنما بنا دیئے ہیں اور انہیں (صحیح) راستے سے روک رکھا ہے اور وہ سیدھا راستہ نہیں پاتے کہ اس اللہ کو سجدہ کریں جو آسمان و زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جسے تم لوگ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سلیمان علیہ السلام کو جو پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا علم اور ان پر اقتدار دیا تھا اس کا صریح بیان درج بالا آیت میں ہوا ہے۔ مگر کیا کیا جائے کفر و الحاد کا جس کی وجہ سے بعض کوتاہ فہموں کو یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ ایک پرندہ کس طرح انسان سے ہمکلام ہو سکتا ہے اور ایک انسان کس طرح ان پر تسلط اور اقتدار رکھ سکتا ہے۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا، انکار حدیث کا روگ رکھنے والے صاحبان کی عقل میں یہ بات نہیں سماتی ہے چنانچہ انہوں نے اس کا یہ حل نکالا ہے کہ ہدہد پرندے کو ہدہدنامی کوئی انسان قرار دے دیا، اور اس کی لائی ہوئی خبر کی بنیاد پر اسے خبر رساں ایجنسی کا ایجنٹ بنا ڈالا اور جب ایسا کر لیا گیا تو پھر اپنا پسندیدہ کھیل کھیلنے کے لئے میدان بالکل صاف ہو گیا۔ لطف یہ ہے کہ اس بے بنیاد باطل تاویل کو ثابت کرنے کے لئے یہ تک کہہ دیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں پرندوں کے ناموں پر انسانوں کے نام رکھنے کا رواج تھا، اس وجہ سے "ہدہد" پرندہ نہیں بلکہ انسان تھا۔ مگر قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اس قسم کی بھونڈی تاویلات اس میں قطعی نہیں کھپ سکتیں، چنانچہ بڑی آسانی سے اس کا سدباب کر دیا گیا ہے۔ قصۂ ہدہد کے شروع ہونے سے پہلے الفاظ ہیں کہ

تَفَقَّدَ الطَّیْرَ

"جب سلیمان (علیہ السلام) نے پرندوں کا جائزہ لیا۔"

تو معلوم ہوا کہ یہاں پرندوں ہی کی بات ہو رہی ہے نہ کہ انسانوں کی۔ مزید آں، ان آیات کو خالی الذہن ہو کر پڑھا جائے تو کہیں بھی یہ خیال نہیں گزرتا کہ یہاں انسانوں کی بات ہو رہی ہے۔ کسی بھی صاف اور صریح کلام میں اس قسم کی پہیلیوں اور گتھیوں کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، چہ جائیکہ قرآن مجید جو اللہ کا کلام ہے اور فصاحت و بلاغت اور جامع دلائل کا شاہکار ہے، اس سے ایسی بے سروپا باتیں منسوب کی جائیں! (العیاذ باللہ)

اس قصۂ ہدہد میں غور و فکر کرنے اور سمجھنے والوں کے لئے نصیحت و موعظت کے بہت سے پہلو موجود ہیں۔

(۱) ہدہد اپنی غیر حاضری کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جو آپ کے علم میں نہیں۔ ذرا غور کیجئے کہ ہدہد اپنے حاکم اور وقت کے نبی کے متعلق کس عقیدے کا اظہار کر رہا ہے کہ وہ غیب داں نہیں کہ ہر پوشیدہ چیز کو جانتے ہوں۔ مگر افسوس اس امت پر جس نے اپنے عقیدے کو شرک سے آلودہ کر لیا ہے اور بے شمار ہستیوں کو عالم الغیب قرار دے لیا ہے! کیا ان سے یہ پرندہ بہتر نہیں جس کا عقیدہ شرک سے پاک ہے اور جو اپنے رب

کے بارے میں بالکل یکسو ہے؟ انہیں تو عقل و خرد سے نوازا گیا ہے، ان کو تو اپنے رب کے معاملے میں ایسا ظلم نہ کرنا چاہئے۔

(۲) قصہ ہدہد میں ہدہد کی حیرانی کی اہم وجہ قوم پر عورت کی حکمرانی بیان ہوئی ہے۔ ایک پرندہ بھی اس غیر فطری چیز پر حیران ہوتا ہے اور اس کا نمایاں طور سے ذکر کرتا ہے، مگر آج امت کا حال یہ ہے کہ ان کی ایک بڑی تعداد عورت کی حکمرانی کی نہ صرف قائل ہے بلکہ اسے جائز سمجھتی ہے اور اس کے لئے مختلف حیلے بہانے تراشتی ہے (بلکہ دونوں کے ذریعے اس کا مطالبہ بھی کرتی ہے)۔ ستم تو یہ ہے کہ وہ اپنے زعم میں اسے قرآن سے ثابت کرتے ہیں اور اس کے لئے یہی ملکہ سبا کا حوالہ پیش کرتے ہیں، حالانکہ یہ استدلال محض جہالت پر مبنی ہے۔ ملکہ سبا تو کافروں، سورج کی پرستش کرنے والوں پر حکمراں تھی، سلیمان علیہ السلام کی دعوت کے نتیجے میں ایمان لانے سے قبل وہ خود بھی اسی مذہب پر تھی۔ کافر و مشرک قوم پر اگر عورت حکمراں تھی تو وہ اسلامی معاشرے کے لئے بھلا کیسے دلیل بن سکتی ہے؟

(۳) ہدہد کی حیرانی کی سب سے بڑی وجہ قوم سبا کی سورج پرستی تھی۔ چنانچہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو پوجتے دیکھ کر وہ حیران بھی ہوا اور اسے انتہائی افسوس بھی ہوا۔ ذرا سوچئے کہ آج امت کو قبروں کو پوجتے دیکھ کر ان بے شعور اور بے زبان سمجھے جانے والے جانوروں کو کس قدر دکھ اور افسوس ہوتا ہوگا! اپنے آپ کو خلقت میں ممتاز سمجھنے والا انسان درحقیقت کیسی پستی میں ہے، اس کا اندازہ وہ ہدہد کی ایمان افروز تقریر سے ہی لگا سکتا ہے۔ انسان کو جو رتبہ ملا ہے وہ اگر اس کے لوازمات اور تقاضوں کو پورا نہ کرے اور اپنے رب کے معاملے میں یکسو نہ ہو تو وہ درحقیقت اس آیت کا مصداق ہوگا:

إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿﴾ (الانفال ۵۵)

"اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والے بدترین مخلوق وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں، پس وہ ایمان نہیں لاتے۔"

اللہ پر ایمان کے دعوے کے ساتھ ساتھ شرک کرنے والوں کو بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ایسا ایمان جس میں شرک کی ملاوٹ ہو ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جاتا۔ اللہ کے یہاں تو خالص ایمان ہی معتبر اور مقبول ہے۔ آج ہم نام نہاد امت مسلمہ کا حال بعینہٖ اس آیت کا مصداق بنا ہوا ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ﴿﴾ (یوسف ۱۰۶)

"لوگوں کی اکثریت اللہ کو مانتی ضرور ہے لیکن اس کے ساتھ شرک بھی کرتی ہے۔"

(۴) ہدہد نے اپنے بیان کے آخر میں کہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ قرآن میں دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ کے عرش کے متعلق "عرش عظیم" اور "عرش کریم" کے الفاظ آئے ہیں۔ اس کے برعکس ہمارے یہاں پائے جانے والے دیوبندی مکتبہ فکر کا عقیدہ ہے کہ قبر نبوی میں زمین کا وہ حصہ جو نبی علیہ السلام کے جسم سے مس کئے ہوئے ہے وہ عرش و کرسی اور کعبے سے بھی افضل ہے (عقائد علمائے دیوبند)۔ کتنا تفاوت ہے دونوں عقائد میں، ہر عقیدہ دوسرے کی ضد ہے۔ اب جس کا دل چاہے وہ قرآن میں مذکور ہدہد کی بات مان کر اپنے عقیدے کی اصلاح کرلے اور جو چاہے وہ اپنے خود ساختہ باطل عقیدے پر جما رہے۔ آخرکار ہر دو عقائد کے حاملین کو اپنے حقیقی انجام سے دوچار ہونا ہے۔ وہاں خوب اچھی طرح سے حق و باطل کا پتہ چل جائے گا۔

الغرض سلیمان علیہ السلام ہدہد کی غیر حاضری کی وجہ سن کر کہتے ہیں کہ "ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تو نے سچ کہا یا جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔" یہ واقعہ سورۃ النمل میں کچھ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ سلیمان علیہ السلام ہدہد کو اپنا ایک خط دے کر ہدایت دیتے ہیں کہ میرا یہ خط لے جاؤ اور ان لوگوں کی طرف ڈال دے، پھر الگ ہٹ کر دیکھ وہ کیا ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔ ہدہد حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خط پہنچا دیتا ہے۔ ملکہ سبا کو جب وہ خط ملتا ہے تو وہ اپنے درباریوں سے مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ "اے اہل دربار! میری طرف ایک بڑا اہم خط ڈالا گیا ہے، وہ سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے ہے اور اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔" ملکہ نے خط کا مضمون بتاتے ہوئے کہا کہ اس میں لکھا ہوا ہے کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مسلم ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ۔ خط سنا کر ملکہ نے کہا، "اے سردارانِ قوم! میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو، میں کسی معاملے کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کرتی ہوں۔" انہوں نے جواب دیا کہ ہم طاقتور اور لڑنے والے لوگ ہیں، آگے فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ خود دیکھ لیں کہ آپ کو کیا حکم دینا ہے۔ ملکہ نے کہا کہ بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں، یہی کچھ وہ کیا کرتے ہیں، میں ان لوگوں کی طرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ میرے ایلچی کیا جواب لے کر واپس آتے ہیں۔ جب ملکہ کا قاصد سلیمان علیہ السلام کے یہاں ہدیہ وغیرہ لے کر پہنچتا ہے تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو، اللہ نے مجھے جو کچھ دیا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو تمہیں دیا ہے، تمہارا ہدیہ تمہی کو مبارک ہو۔ تم ان کے پاس واپس جاؤ۔ ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم انہیں ذلت کے ساتھ وہاں سے نکالیں گے کہ وہ خوار ہو کر رہ جائیں گے۔ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے تحائف کی واپسی اور فیصلہ کن جواب کا خاطر خواہ اثر ہوا اور ملکہ نے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کر دی۔ ادھر دوسری طرف سلیمان علیہ السلام نے اپنے اہل دربار سے کہا کہ سردارو! تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لاتا ہے قبل اس کے کہ وہ لوگ مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہوں۔ یہ وہی تخت تھا جس کی اطلاع ہدہد نے دی تھی۔ چونکہ ان درباریوں میں جنات بھی ہوتے تھے تو ان میں سے ایک عفریت جن نے کہا کہ "جتنی دیر میں آپ اپنی جگہ سے اٹھیں گے میں اسے حاضر کر دوں گا، میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانت دار ہوں۔" جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بولا کہ میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے لائے دیتا ہوں۔ قرآن میں اس ہستی کا نام نہیں آیا ہے اور نہ ہی کتاب کے علم کی کوئی نوعیت یا وضاحت آئی ہے۔ قرآن کے ایسے مقامات ہمارے مفسرین کے لئے کھلا میدان ہوتے ہیں جس میں وہ اپنے اپنے علم کے جوہر دکھایا کرتے ہیں۔ اس مقام کو بھی انہوں نے نہیں بخشا اور ہزار جتن کر کے اس شخص کا نام نامی پیش کر دیا۔ کسی نے "آصف برخیا" بتایا، کسی نے فرشتہ قرار دیا تو کسی نے خضر علیہ السلام کا نام پیش کیا، اور اس سلسلے میں خود سلیمان علیہ السلام کا نام بھی پیش کیا جاتا ہے۔ کتاب کے علم کے متعلق بھی قیاس آرائی سے کام لیا گیا۔ کسی نے اللہ کی کتاب کا باطنی علم بتایا، کسی نے اس کی روحانی تاثیر اور اس کو الفاظ کے خواص کا علم بتایا، کسی نے لوح محفوظ کا نام پیش کیا۔ بہرحال جتنے منہ اتنی

باتیں کی گئیں۔ صحیح بات کا علم کسی کو نہیں۔ اللہ نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا، اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں اس کے متعلق کچھ آیا ہے۔ بھلا اس کی ضرورت ہی کیا جو اس کے پیچھے پڑا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی اس کے متعلق نبی علیہ السلام سے کبھی کوئی سوال نہیں کیا۔ لیکن بعد کے مفسرین کا یہی تو کارنامہ ہے کہ بلاضرورت ہر چیز کے پیچھے پڑے اور اقوال اور اسرائیلی روایات پر مشتمل حشو سے صفحات کے صفحات سیاہ کر دیئے۔ کیا اس کے لئے اتنا کافی نہیں کہ اللہ نے جس قدر بیان کیا ہے اسے اسی قدر مان لیا جائے کہ یہ اللہ کے نبی کا معجزہ ہے اور معجزات تو اسباب و توجیہات سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اللہ نے اپنے نبی سلیمان علیہ السلام کو اس طرح کے اور بے شمار خارق عادت امتیازات سے نوازا تھا۔ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے۔

کتاب کا علم رکھنے والے نے تخت کو لا موجود کیا۔ جونہی سلیمان علیہ السلام نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو پکار اٹھے کہ یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کافر نعمت بن جاتا ہوں، اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو اس کا شکر اس کے اپنے لئے ہی مفید ہے اور جو کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ بزرگ ہے۔

اللہ کے ایماندار بندوں کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ ہر نعمت پر اللہ کا شکر بجالاتے ہیں، کبر و نخوت کے جذبے کو نہیں ابھرنے دیتے۔ سلیمان علیہ السلام اپنی تمام تر شان و شوکت اور کروفر کے باوجود اللہ کے شکر گزار بندے تھے۔ اللہ نے ان کی اس صفت کو بھی اپنی کتاب میں بیان کیا ہے:

اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ (ص ۳۰)

"وہ (اللہ کی طرف) بہت زیادہ رجوع کرنے والے تھے۔"

تخت کے متعلق سلیمان علیہ السلام نے یہ ہدایت دی کہ تخت کی صورت کو بدل دو تاکہ دیکھا جائے کہ وہ اپنے تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں۔ پھر جب ملکہ سبا سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوتی ہے تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے۔ ملکہ نے جواب دیا کہ یہ تو گویا وہی ہے، ہم تو پہلے ہی جان گئے تھے اور فرمانبردار بن گئے تھے۔ یعنی سلیمان علیہ السلام کی دعوت اور ملکہ سبا کے ہدہد کے ہاتھ بھیجے گئے صدایہ کی واپسی ہی نے ملکہ کو اچھی طرح باور کرا دیا تھا کہ یہ کوئی دنیاوی بادشاہوں والا معاملہ نہیں ہے بلکہ سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور اللہ نے انہیں بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں اور وہ اللہ کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ ملکہ کو ایمان لانے سے جس چیز نے روک رکھا تھا وہ کافرانہ و مشرکانہ ماحول تھا جس میں اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کی عبادت کی جارہی تھی، اور وہ بھی ان کو پوجتی تھی کیونکہ وہ ایک کافر قوم ہی میں سے تھی۔ لیکن جب اس کے سامنے حق کھل کر آگیا تو اس نے بلاتردد قبول کر لیا۔ اس سے ملتی جلتی مثال نبی ﷺ کے دور میں حبشہ کے والی نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

تخت کے متعلق امتحان کے بعد ملکہ سبا سے محل میں داخل ہونے کو کہا گیا۔ اس نے جو دیکھا تو سمجھی کہ پانی کا حوض ہے، اور اترنے کے لئے پائنچے اٹھا لئے۔ سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ یہ شیشے کا چکنا فرش ہے۔ تمکن و احتشام سے رہنے والی ملکہ جب اس شان کو ملاحظہ کرتی ہے تو پکار اٹھتی ہے کہ اے میرے رب! میں اپنے نفس پر بڑا ظلم کرتی رہی۔ اب میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ رب العالمین کی اطاعت قبول کرتی ہوں۔ قرآن نے ملکہ سبا کے قصے کو یہیں تک بیان کیا، اور جس عبرت و نصیحت کے مقصد سے یہ بیان کیا گیا تھا اس کے لئے یہ کافی ہے۔ لیکن مفسرین تو بال کی کھال نکالنے کے عادی ہیں۔ انہوں نے محل کے واقعے کے متعلق بھی دور کی کوڑی لا کر پیش کر دی اور حد سے تجاوز کرتے ہوئے اس کوشش میں انہوں نے عصمتِ انبیاءؑ کا بھی خیال نہیں کیا اور بنی اسرائیل کی طرح انبیاءؑ کے متعلق بازیبا اور بے ہودہ باتیں لکھ ڈالیں۔ چنانچہ اس واقع کے متعلق کہتے ہیں کہ جنوں نے ملکہ سبا کی پنڈلیوں کو عیب دار بنایا تھا، اسے دیکھنے کے لئے سلیمان علیہ السلام نے شیشے کا فرش بنوایا، جس پر پانی کے حوض ہونے کا گمان ہوتا تھا، اور ملکہ نے جب اس پر چلنے کے لئے پنڈلیوں کو کھولا تو سلیمان علیہ السلام نے اس کی پنڈلیوں کو دیکھ لیا اور جنوں کی بات غلط ثابت ہوئی۔ نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات

اس قصے کے اختتام پر مفسرین کے اس کارنامے کو بھی بیان کر دیا جائے تو بہتر ہوگا کہ سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کے ایمان لانے کے بعد اس سے نکاح کر لیا۔ نکاح کرنا کوئی بری بات نہیں، مگر ایسا شوشہ چھوڑنے سے پہلے ذرا تحقیق تو کر لینی چاہیے کہ فی الواقع ایسا ہوا بھی ہے یا نہیں، اور اس کے لئے کوئی مستند دلیل بھی ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو مال و دولت، شان و شوکت اور حکومت و اقتدار ہی عطا نہ کیا تھا بلکہ انہیں علم سے بھی نوازا تھا اور قوتِ فیصلہ بھی دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا ہے:

وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ۙ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ۪ (الانبیاء ۷۸، ۷۹)

"اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام کا حال بھی سن لو) جب دونوں ایک کھیت کے مقدمے میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں چر گئی تھیں اور ہم ان کی عدالت خود دیکھ رہے تھے۔ اس وقت ہم نے صحیح فیصلہ سلیمان (علیہ السلام) کو سمجھا دیا، حالانکہ علم اور حلم ہم نے دونوں ہی کو عطا کیا تھا۔"

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں مافوق البشر تصورات قائم کرنے والوں کیلئے درس و عبرت کا مقام ہے کہ اللہ کا ایسا جلیل القدر پیغمبر، جو انس کے تابع فرمان ہو، جنات جس کے قبضے میں ہوں اور اس کے حکم سے سرتابی نہ کر سکتے ہوں، اللہ کی دیگر مخلوقات، پرندے و جانور وغیرہ جس کے زیر اقتدار ہوں اور وہ ان سے ہمکلام ہوتا ہو، جس کے پاس مال و دولت کی بہتات ہو، علم و حکمت کی دولت بھی حاصل ہو، قوتِ فیصلہ رکھتا ہو، بھی ہمیشہ دنیا میں زندہ نہ رہا بلکہ انہیں تو یہ تک بھی پتہ نہ چل سکا کہ کب، کہاں اور کس حال میں موت آئی ہے۔ قرآن میں اس بات کو اس طرح واضح فرمایا گیا ہے:

فَلَمَّا قَضَیْنَا عَلَیْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰی مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ؕ (سبا ۱۴)

"پھر جب سلیمان پر ہم نے موت کا فیصلہ نافذ کیا تو جنوں کو اس کی موت کا پتہ دینے والی چیز اس گھن کے سوا اور کچھ نہ تھی جو اس کے عصا کو کھا رہا تھا۔ اس طرح جب سلیمان علیہ السلام گر پڑے تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کے جاننے والے ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔"

ان آیات میں جہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اس باطل خیال کو بالکلیہ رد کر دیا ہے کہ انبیاءؑ موت سے مستثنیٰ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں، وہیں ان لوگوں کے عقیدے پر بھی چوٹ لگائی ہے جو اللہ کی صفت علم غیب میں جنوں کو

(باقی صفحہ ۳۸ کالم ۳ پر)

علی ہجویری
کشف المحجوب
کے آئینے میں

عبدالرؤف

انبیاء علیہم السلام کی دعوت دین میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ وقت کے احبار و رہبان اور سرداران قوم رہے ہیں، انہوں نے ہی لوگوں کو دینِ حق قبول کرنے سے روکا اور شدت سے اس کی مخالفت کی اور اللہ کے بندوں کو اپنا حلقہ بگوش بنائے رکھا۔ چنانچہ انبیاء کی دعوت کا مرکزی نقطہ یہی رہا ہے کہ اللہ کے بندوں کا تعلق ان کے حقیقی رب، الٰہ واحد سے قائم ہو اور طاغوت اور طاغوتی قوتوں کی بندگی سے ان کا دامن یکسر پاک ہو جائے۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ (النحل ۳۶)

"ہم نے ہر امت میں جس رسول کو بھیجا اس نے اپنی قوم کو یہی دعوت دی) کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے کنارہ کش ہو جاؤ"

ایمان میں یک سوئی اور خالصتِ ایمان کے لئے اتنی احتیاط اور شدت اختیار کی گئی کہ طاغوت کا کفر اور اس سے اجتناب کو ایمان کی پہلی اور لازمی شرط قرار دیا گیا (سورۃ البقرۃ ۲۵۶)۔ بہر حال جب کبھی یہ انقلاب آفریں دعوت اٹھی تو قوم کے سرداروں اور احبار و رہبان نے اس دعوتِ حق کی بڑی شدت سے مخالفت کی اور قوم کو اسے قبول کرنے سے روکا۔ ہر چند کہ قوم کی جہالت بھی دعوت کو قبول کرنے میں کسی حد تک مانع رہی ہے، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قوم کی جہالت کا سرا بھی انہی پیشوایانِ قوم کے سر ہے۔ بالفاظِ دیگر کسی بھی قوم کی گمراہی کا سبب قوم و ملت کے پیشوا ہی ہوتے ہیں جو اپنے خود ساختہ و پرداختہ نظریات کو اپنے ذاتی مفادات کے تحت قوم پر مسلط کر کے ان کی تباہی و بربادی کا سامان کرتے رہے ہیں۔

اللہ کے آخری نبی ﷺ کی بعثت کے وقت بھی یہی صورتحال درپیش تھی۔ احبار و رہبان اور سرداران قوم نے کھل کر دعوت کی مخالفت کی اور لوگوں کو قبولِ حق سے روکنے کی کوشش کی۔ خیر القرون کے بعد ان کو مزید موقع ملا تو انہوں نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ غیر اسلامی اور مشرکانہ عقائد کو اسلامی ناموں اور اصطلاحوں سے مزین کر کے پھیلایا گیا۔ نت نئی بدعات و رسومات کو اسلام کا لیبل لگا کر دینِ اسلام کا حصہ بنا دیا گیا۔ ظالموں نے اسی پر بس نہیں کیا، اسلام کے مقابلے میں ایک نیا دین، "دینِ تصوف" پیش کر دیا اور شریعت کے مقابلے میں طریقت کو لا کھڑا کیا۔ رہبانیت اور تصوف ویسے تو کوئی نئی چیز نہ تھی لیکن اسلام کے ماننے والوں کی نظر میں یہ اجنبی ہی تھا اور قرآن و سنت میں اس کے لئے کوئی مقام نہیں تھا بلکہ قرآن نے تو اس کا سدباب کر دیا تھا اور لوگوں کو ہوشیار کر دیا تھا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ (التوبہ ۳۴)

"اے ایمان والو! ان مولویوں اور پیروں کی اکثریت لوگوں کا مال باطل طریقوں سے کھاتی ہے اور انہیں اللہ کے راستے سے بھی روک دیتی ہے۔"

اس دشواری سے نمٹنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لے کر سلسلہ ہائے تصوف کو صحابہ کرام تک پہنچا دیا گیا اور اس طرح دینِ طریقت کو پروان چڑھایا گیا۔ درحقیقت تصوف کی ایک ایک چیز اسلام کی ضد ہے اور ضد بھی ایسی کہ جس میں زمین و آسمان کی دوری اور مشرق و مغرب کا بُعد پایا جاتا ہے۔ دینِ اسلام کا بنیادی نکتہ توحیدِ باری تعالیٰ ہے جس کا مقصد اللہ کے بندے کو صرف اور صرف اللہ کا بندہ بنانا ہے، جب کہ تصوف کا بنیادی مقصد اللہ کے بندے کو بندگی کے منصب سے اٹھا کر "خدائی مسند" پر بٹھانا ہے۔ اسلام کے معتقدات اور تصوف کے نظریات کے مابین پائی جانے والی اس حیرت انگیز دوری کو عالمین تصوف نے تصوف کی بھول بھلیوں کو خوشنما اسلامی ناموں اور اصطلاحوں سے آراستہ کر کے ختم کر دیا اور اس طرح طبع سازی کر کے دینِ طریقت کو تمام خطوں میں پھیلا دیا۔ برصغیر میں تو اس کا زیادہ ہی غلغلہ رہا ہے۔ ہنود کا "یوگ و ویدانت" اور یہود و ہنود کا "فلسفہ وحدت الوجود" اس مہم میں ممد و معاون رہا ہے۔ یہ بات زبان زدِ عام ہے کہ برصغیر میں اسلام کی اشاعت ان ہستیوں ہی کی مرہونِ منت ہے یعنی انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ برصغیر میں اسلام پھیلا۔ اب یہ اور بات ہے کہ برصغیر میں پائے جانے والے اسلام کے عقائد و اعمال قرآن و حدیث میں نہیں ملتے! صوفیاء کی تصانیف و تالیفات اور ملفوظات اس پر گواہ ہیں کہ دینِ طریقت اسلام کے برعکس اور بالکل ہی الگ اور جداگانہ دین ہے۔ قرآن و سنت سے ان کا تقابل کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔

یوں تو برصغیر میں بے شمار صوفیاء گذرے جن کے کشف و کرامات اور حیرت انگیز کارناموں سے ان کے اور ان کے عقیدتمندوں کے مکتوبات و ملفوظات بھرے پڑے ہیں اور جن کے لئے لوگوں کے دلوں میں احترام و عقیدت کے جذبات پائے جاتے ہیں، لیکن انہی میں ایک مشہور و معروف صوفی علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش ہیں۔ برصغیر کا بچہ بچہ ان سے واقف ہے اور ان کا نام بڑے ہی عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ صوفیوں میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور بہت

پہنچے ہوئے مانے جاتے ہیں۔ لاہور میں ان کا بڑا ہی عالیشان مزار ہے جو "داتا دربار" کہلاتا ہے، اور اردگرد کی پوری بستی "داتا نگری" کہلاتی ہے۔ ہر چھوٹا بڑا ان سے دلی وابستگی رکھتا ہے۔ ان کے عرس کے دن لاہور شہر کا کوئی گوالا دودھ فروخت نہیں کرتا بلکہ ان کے نام پر مفت تقسیم کرتا ہے۔ مزار یا "دربار" پر ہر وقت لنگر جاری رہتا ہے، ہر وقت چڑھاووں اور نذرانوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے، خلائق کا اژدھام ہوتا ہے، ان کی قبر پر "مرکز تجلیات" کا کتبہ لگا ہوا ہے، قبر کی جالی کو چوما جاتا ہے اور قبر کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھی جاتی ہیں، ان کی دہائیاں دی جاتی ہیں، منتیں مانگی جاتی ہیں، چادریں چڑھائی جاتی ہیں، قوالیاں گائی جاتی ہیں، ان کی قبر کے بے شمار مجاور ہیں جو کل وقتی مجاورت کرتے ہیں..... ان کی قبر پر یہ سب کچھ جو ہوتا ہے آخر کیوں نہ ہو کہ ان کی تعلیمات ہی یہ تھیں۔ ان کی قبر کے پاس ہی جالیوں سے حزین اور آراستہ وہ جگہ بھی ہے جہاں بر صغیر ہی کی ایک اور مشہور و معروف صوفی شخصیت معین الدین چشتی اجمیری المعروف بہ "خواجہ غریب نواز" نے ان علی ہجویری صاحب کی قبر سے فیض کے حصول کے لئے چلہ کشی کی تھی جسکے بعد انہوں نے وہ شعر کہا تھا جو آج بھی یہاں کندہ ہے:

گنج بخش فیضِ عالم مظہر نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

(گنج بخش یعنی خزانے بخشنے والے علی ہجویری کی ذات سارے عالم کو فیض پہنچانے والی ہے۔ اللہ کے نور کی ایک شکل ہے، یہ لوگوں کے لئے تو وہ ایک کامل پیر ہے اور کامل لوگوں کے لئے رہبری کرنے والی ہے)

جب اتنے بڑے بزرگ "حصول فیض" کے لئے قبر پر چلہ کشی کریں تو پھر ہمارے عوام جو کچھ وہاں کرتے ہیں وہ نہ کریں تو کیا کریں؟

ذیل میں علی ہجویری صاحب کی مشہور و معروف تصنیف "کشف المحجوب" (یعنی اس چیز کا کھولنا جو پردے میں تھی) کے چند اقتباسات پیش کر کے قرآن و سنت کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا جارہا ہے تاکہ قرآن و سنت کے متبعین کے سامنے ان راہ بروں کی راہ زنی طشت از بام ہو جائے اور برصغیر میں نام نہاد اسلام پھیلانے والوں کے اصل خدوخال نمایاں ہو جائیں:

۱۔ علی ہجویری صاحب فرماتے ہیں:

اور خود مجھے (علی بن عثمان ہجویری) بھی ایک مرتبہ ایک واقعہ پیش آیا تھا اور میں نے اس امید پر اس کے لئے بڑی جدوجہد کی کہ وہ حل ہو جائے لیکن وہ حل نہ ہوا۔ اور اس سے پہلے بھی مجھے اسی طرح کا ایک مشکل مسئلہ پیش آیا تھا جس کے لئے میں شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر جا کر مجاور ہوا تب وہ حل ہوا تھا۔

(کشف المحجوب، مترجم عبدالرؤف ظفر قادری، ناشر اسلامی کتب خانہ، غلہ الی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، صفحہ ۹۷)

علی ہجویری صاحب کی اس عبارت سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ آج جو کچھ قبروں اور مزاروں پر ہو رہا ہے، وہ ان ہی کی تعلیم اور ان ہی کی سنت ہے۔ علی ہجویری صاحب جب صاحب قبر سے اپنی مشکل حل کرائیں تو پھر عوام کیوں نہ قبر والوں کی دہائیاں دیں، نوالدیں مانگیں، مشکل اور تنگدستی میں انہیں پکاریں، رزق میں کشادگی چاہیں، ان ہی کے سامنے اپنی حاجات رکھیں، ان ہی کے آگے اپنا دکھڑا بیان کریں۔ علی ہجویری صاحب جب قبر پر مجاورت کریں تو پھر عوام کیوں نہ قبریں پختہ کریں، عالیشان مزار تعمیر کر کے اس کی مجاورت کریں، اور وہاں پر چیخیں سنائی کریں۔ جب اس پائے کی ہستیاں قبوری دین کو پذیرائی بخشیں تو عوام کیوں نہ اسے اختیار کریں۔ علی ہجویری صاحب کے اس دین کے برعکس قرآن و سنت پر مبنی اسلام کی تعلیمات تو یہ ہیں:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن ۶۰)

"تمہارے رب نے تم سے کہدیا ہے کہ تم مجھے ہی پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔"

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۚ (الرعد ۱۴)

"صرف اسی کو پکارنا حق ہے۔"

أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوٓءَ (النمل ۶۲)

"بھلا کون ہے جو بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور (اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے؟"

اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

إِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ (الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ)

"جب بھی تم سوال کرو تو اللہ سے کرو اور جب بھی مدد چاہو تو اللہ سے چاہو....."

لِيَسْئَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا حَتَّى يَسْئَلَهُ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ حَتَّى يَسْئَلَهُ الْمِلْحَ

..... (الترمذی، ابواب الدعوات)

"تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اپنی ساری حاجتیں اللہ ہی سے مانگے یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ بھی جب وہ ٹوٹ جائے..... یہاں تک کہ نمک (کی) بھی (ضرورت ہو تو) اسی سے مانگے۔"

یہ تو تعلیم ہے اللہ اور اس کے رسول کی جبکہ علی ہجویری صاحب کی تعلیم و عمل یہ ہے کہ جب مشکل معاملہ درپیش ہوا تو بایزید کی قبر پر مجاور ہوئے تو حل ہوا۔ حدیث میں ہے:

نَهَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَ اَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ وَ اَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ (مسلم)

"رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے قبروں کو پختہ بنانے، ان پر عمارت بنانے اور ان پر مجاورت کرنے سے۔"

۲۔ مالک بن دینار کے بارے میں لکھتے ہیں:

پھر اس مقام تک پہنچے کہ ایک دفعہ کشتی میں سوار تھے کہ ایک دوسرے سوار کا ایک قیمتی موتی غائب ہو گیا۔ آپ چونکہ سب کے لئے اجنبی تھے اس لئے انہوں نے موتی چرانے کی تہمت آپ پر لگا دی۔ آپ نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا تو دریا کی تمام مچھلیوں نے اپنے سر سطح پانی پر نکال لئے اور ہر مچھلی نے اپنے منہ میں ایک قیمتی پتھر لے رکھا تھا۔ آپ نے ان میں سے ایک موتی نے کر اس شخص کو دے دیا۔ اور خود سطح پانی پر قدم مبارک رکھا اور دریا کے پانی پر چلتے ہوئے ساحل پر پہنچ گئے۔

(کشف المحجوب، صفحہ ۲۷۳)

یہ واقعہ کائنات میں صوفیاء کے تصرف کی اولیٰ مثال ہے۔ اس کے برعکس قرآن کہتا ہے:

وَيَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَآءُ (ابراھیم ۲۷)

إِنَّ اللهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (الحج ۱۸)

"اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

تو اس کے مقابلے میں یہ خدائی کے دعویدار اہل تصوف بھی جو چاہیں کر سکتے ہیں: سمر کی معمولی جنبش سے دریا کی ساری مچھلیاں سطح آب پر قیمتی پتھر لیکر نمودار ہو گئیں اور ان کی خدمت میں پیش کر دئے، دریا کے پانی پر مانند زمین چلتے ہوئے ساحل پر پہنچنا بھی ان کے لئے کوئی بڑی بات نہیں، یہ تو وہ لوگ ہیں جو آسمانوں پر اڑتے ہیں پانی پر چلنا ان کے لئے کیا مشکل! گویا اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کائنات ان کی خواہشات اور ضروریات کے پابند ہیں۔ اب یہ اور بات ہے کہ "تصرف فی الامور" کی یہ مجموعہ انہی ہستیوں تک محدود ہے ورنہ اللہ کے برگزیدہ انبیاء بھی اللہ کے بنائے ہوئے آفاقی قوانین کے پابند تھے۔ معجزات کی بات اور ہے، اور ان کا ظہور بھی انبیاء کے ہاتھ پر اللہ کے اذن سے ہوتا تھا (انبیاء خود معجزات پر قادر نہ تھے)، اور یہ اللہ کی قدرت کی نشانی اور نبوت کی حسی دلیل ہوتے تھے۔ غیر نبی کے ساتھ اس قسم کا معاملہ ناقابل فہم ہے۔ معجزہ کا نام "کرامت" رکھ کر جو اس سلسلے کو جاری رہنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ درحقیقت ختم

نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ بہر حال انبیاءؑ بھی گنے چنے چند معجزات کے علاوہ قوانین قدرت ہی کے پابند تھے۔ اللہ کے نبی یونس علیہ السلام کو جب دریا میں ڈال دیا گیا تو انہیں مچھلی نے نگل لیا اور قرآن کہتا ہے کہ انہوں نے مچھلی کے پیٹ سے اللہ کو پکارا:

فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (الانبیاء۔۸۷)

"پس پکارا اندھیرے میں سے کہ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں، تو پاک ہے، میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔"

اللہ نے انہیں وہاں سے نجات دی۔ اور مالک فرماتا ہے:

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۙ لَلَبِثَ فِىْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (الصّٰفّٰت ۱۴۳، ۱۴۴)

"پھر وہ اگر (اللہ کی) تسبیح نہ کرتے تو اس روز تک کہ لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اسی (مچھلی کے) پیٹ میں رہتے۔"

ایک طرف اللہ کے نبی کا یہ معاملہ ہے کہ دریا میں ڈال دینے پر ڈوب جاتے ہیں اور مچھلی انہیں نگل لیتی ہے اور دوسری طرف یہ "مقدس ہستیاں" ہیں جو مانند زمین سطح آب پر چلتے ہوئے پیدل دریا سے ساحل پر پہنچ جاتے ہیں! کیسا تفاوت ہے ان دو گروہوں میں اور دونوں کی قوت و تصرف میں! ایک کا کائنات میں جاری عوامل اور قوانین پر تصرف ہے اور دوسرا ان قوانین و عوامل کے آگے مجبور محض ہے!!

۳۔ مشائخ میں سے ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ سو رہے تھے، میں تھوڑی دیر ٹھہرا کہ آپ بیدار ہوں اور مجھ سے فرمائیں کہ ابھی میں نے پیغمبر ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے تمہارے لئے پیغام دیتے ہوئے فرمایا کہ ماں کے حقوق کی حفاظت کرنا حج ادا کرنے سے بہتر ہے، اس لئے لوٹ جاؤ اور ماں کی دلجوئی کرو۔" میں وہیں سے واپس لوٹ آیا اور مکہ مکرمہ کی طرف نہ گیا۔ (کشف المحجوب، صفحہ ۱۳۹)

عرصہ دراز سے نبی ﷺ کو خوابوں میں دیکھنے کا جو طویل سلسلہ چلا ہوا ہے، اسکو پھیلانے میں ان ہی "مشائخ عظام" کا ہاتھ ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ ان کے خوابوں میں آتے ہیں اور ہدایات فرماتے ہیں۔ اسطرح انہوں نے اللہ کے نبی ﷺ کو بعد از وفات عالم الغیب بھی بتایا اور تکوینی عوامل پر تصرف کا حامل بھی۔ جہاں تک اللہ کے نبی کو خواب میں دیکھنے کی بات ہے تو صحیحین کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا اور شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کو خواب میں دیکھنے والا نبی ﷺ ہی کو خواب میں دیکھتا ہے۔ بھلا کیا کوئی شخص جس نے نبی ﷺ کو کبھی بیداری میں نہ دیکھا ہو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے؟ کیسی احمقانہ بات ہے کہ کسی کو کبھی بیداری میں نہ دیکھا ہو اور اسے خواب میں دیکھ کر یقین کے ساتھ کہے کہ میں نے اسے ہی دیکھا ہے!

دوسری بات اس حدیث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا۔ اس سے تو صاف پتہ چل رہا ہے کہ اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی ہیں۔ یہ صوفیاء، "مشائخ عظام" و "علمائے کرام" اپنی شان بڑھانے، اپنی توقیر میں اضافہ کے لئے اس قسم کے مزعومہ دعوے کیا کرتے ہیں۔

دوسری بات اس درج بالا واقعہ میں یہ بیان ہوئی ہے کہ نبی ﷺ امت کے اعمال و افعال سے باخبر ہیں۔ قرآن و حدیث کی رو سے یہ بھی قطعاً ناممکن بلکہ یہ عقیدہ کفر و شرک ہے۔ سورۃ المائدۃ میں ہے:

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (المائدۃ ۱۰۹)

"(وہاں یاد رکھنے کے لائق ہے) جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا، پھر ان سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا تھا، وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ نہیں معلوم، غیب کا جاننے والا تو تو ہی ہے۔"

اسی طرح سورۃ الاحقاف آیت ۵ میں بتایا کہ یہ گمراہ لوگ جن ہستیوں (انبیاء و اولیاء) کو پکار رہے ہیں، وہ تو ان کی دعاؤں سے بے خبر ہیں۔

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

يجاء برجال من امتي فيوخذبهم ذات الشمال فاقول يارب امتي فيقال انك لاتدري ماأحدثوا بعدك اعقابهم منذ فارقتهم

"قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا اور پھر دوبائیں طرف (جہنم کی طرف) لے جائے جائیں گے تو میں کہوں گا: میرے رب یہ تو میرے امتی ہیں۔ اس وقت مجھ سے کہا جائے گا: تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا بدعتیں نکال لی تھیں۔ جواباً میں وہی کہوں گا جو (عبدی علیہ السلام کا) قول قرآن میں ہے کہ "میں جب تک ان کے درمیان موجود تھا انکے احوال کی نگرانی کرتا رہا اور جب تو نے مجھے اٹھالیا تو صرف تو ہی ان پر نگراں باقی رہ گیا۔" پھر مجھے بتایا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے دنیا سے جاتے ہی الٹے قدموں واپس پلٹ گئے۔"

معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور اللہ کے آخری نبی ﷺ بھی وفات کے بعد اپنی امت کے حالات سے قطعاً ناواقف ہیں۔ دراصل دین طریقت کا تو مزاج ہی یہ ہے کہ جو کچھ قرآن و سنت میں حرام ہے وہ اس مذہب تصوف میں حلال ہے اور جو قرآن و حدیث میں حلال ہے انکے یہاں حرام ہے!

۴۔ اور یہ بات بڑی مشہور ہے کہ حضرت سری سقطی کی زندگی میں مریدوں نے حضرت جنیدؒ سے درخواست کی کہ "اے شیخ! آپ ہمیں کوئی نصیحت فرمائیے تاکہ ہمارے دلوں کو راحت نصیب ہو۔" آپ نے ان کی درخواست قبول نہ کی اور فرمایا کہ جب تک میرے شیخ بقید حیات ہیں میں کوئی نصیحت نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ رات کو سو رہے تھے کہ خواب میں پیغمبر ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا: "اے جنید! لوگوں کو نصیحت کی باتیں کہا کرو کہ حق تعالیٰ نے تمہارے کلام کو ایک جہان کی نجات کا سبب بنایا ہے۔" آپ جب بیدار ہوئے تو دل میں خیال پیدا ہوا کہ شاید میرے اوپر حضرت سری سقطی رحمہ اللہ سے غلبہ کیا ہے۔ اسی لئے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے وعظ کہنے کا حکم دیا ہے۔" صبح ہوئی تو حضرت سری سقطیؒ نے اپنے ایک مرید کو بھیجا کہ جب جنید نماز سے فارغ ہو تو اسے کہنا کہ تم نے مریدوں کی درخواست پر تو انہیں وعظ نہیں کیا، پھر مشائخ بغداد کی سفارش کو بھی رد کر دیا اور میرے پیغام بھیجنے پر بھی تم نے وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری نہیں کیا۔ لیکن اب جب کہ پیغمبر ﷺ نے تجھے حکم فرمایا ہے تو آپؐ کے فرمان پر ضرور عمل کرنا۔ حضرت جنیدؒ کہتے ہیں کہ یہ سن کر وہ خیال میرے دل سے نکل گیا اور میں نے جان لیا کہ حضرت سری سقطی میرے ظاہری اور باطنی تمام احوال سے واقف ہیں اور آپ کا درجہ بہر حال میرے درجے سے بہت بلند ہے کہ وہ تو میرے اسرار سے مطلع ہیں اور میں ان کے حالات سے بے خبر ہوں، چنانچہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے خیال پر معافی مانگی اور پھر آپ سے پوچھا کہ آپ کو یہ علم کس طرح ہوا کہ میں نے خواب میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں اللہ عزوجل کو دیکھا کہ وہ مجھے فرما رہے ہیں کہ میں نے اپنے رسول ﷺ کو بھیجا ہے تاکہ وہ جنید سے فرمائیں کہ وہ مخلوق کو وعظ کہا کرے تاکہ اس سے اہل بغداد کی مراد حاصل ہو۔

(کشف المحجوب، صفحہ ۱۹۴، ۱۹۵)

اس واقعہ میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں: ۱۔ جنید بغدادی کا باوجود اصرار کے نصیحت کرنے سے انکار؛ ۲۔ پیغمبر کی خواب میں زیارت کا ہونا اور وعظ کا حکم دینا؛ ۳۔ سری سقطی صاحب کا خواب میں اللہ کی زیارت کرنا؛ ۴۔ سری سقطی کا مرید کے ظاہری و باطنی تمام احوال سے واقف ہونا، یہاں تک کہ اس کے خواب تک سے واقف ہو جانا۔ نصیحت سے انکار والی بات بھی کیا خوب ہے! اللہ تعالیٰ نے ہر مسلم پر

یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ دعوت و نصیحت کا کام کرے۔ اس آخری امت کو جسے قرآن میں "امت وسط" کے نام سے پکارا گیا ہے (۲:۱۴۳) کو دوسری جگہ "بہترین امت" قرار دیتے ہوئے فرمایا "تم لوگوں کو بھلائی اور نیکی کی دعوت دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔" (آل عمران ۱۱۰) دراصل دین تصوف اور اس کے پیروکار اسلام اور اسلامی احکام سے ماورا ہیں۔ "نبی ﷺ کا خواب میں آنا اور حکم دینا" اس پر تبصرہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔ سری سقطی صاحب کا جنید بغدادی صاحب کے ظاہری و باطنی احوال اور خواب تک سے واقف ہونا، یہ بڑے کمال کی بات ہے۔ جادہ تصوف کی منازل طے کرنے والے ہی اس طرح علم غیب اور تصرف فی الامور کے دعوے کرتے ہیں ورنہ قرآن و سنت کو دیکھ جایئے وہاں تو اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن کہتا ہے:

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل ۶۵)

"کہہ دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی زمین و آسمان میں غیب کی باتیں نہیں جانتا۔"

اللہ فرماتا ہے:

ولقد خلقنا الانسان ونعلم ماتوسوس به نفسه (ق ۱۶)

"ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں جو باتیں بھی اس کے دل میں آتی ہیں۔"

قرآن و حدیث کی رو سے صرف اور صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو غیب اور تمام انسانوں کے ظاہر و باطن کی جاننے والی ہے۔ جو لوگ غیب جاننے اور ظاہر و باطن کے جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں در حقیقت وہ خدائی کے دعویدار ہیں۔ کیسا بھیانک کفر و شرک والحاد ہے جس کے یہ لوگ مرتکب ہیں اور پھر بھی امت کے بہترین افراد میں ان کا شمار کیا جاتا ہے، اور یہ ولی اللہ کے منصب پر فائز ہیں!

؎ بایں عقل و دانش بباید گریست

تیسری بات اس واقعہ میں سری سقطی کا خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنا ہے۔ قرآن و حدیث کے مطابق تو اس دنیا میں خواب یا بیداری میں اللہ کا دیدار ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام ۱۰۳)

آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں، اس کا ادراک نہیں کر سکتیں، اس کو نہیں دیکھ سکتیں لیکن وہ آنکھوں کو پالیتا ہے کیونکہ وہ لطیف خبیر (ایضاً) وہ بیحد باریک بیں اور خبیر ہے۔ قرآن میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لن ترانی (الاعراف ۱۴۳) "تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔" اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کے اصرار پر تجلی فرمائی تو موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو گئے۔ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا اللہ کے نبی ﷺ نے اللہ کو دیکھا ہے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس بات سے تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، یہ ایسی بات ہے کہ جس نے بھی اس نے جھوٹ کہا۔ جو یہ کہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اللہ کو دیکھا ہے تو اس نے جھوٹ کہا۔ اور حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ آج دنیا میں تو اللہ کو نہیں دیکھ سکتے، ہاں قیامت کے بعد اہل جنت صبح و شام اللہ کا دیدار کریں گے اور انہیں دیکھنے میں کوئی مزاحمت، انگچوبٹ یا مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا بلکہ جس طرح چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہیں اسطرح سے دیکھیں گے، اور اللہ کا دیدار دنیا و مافیہا سے بہتر اور بڑھ کر ہوگا۔ قرآن و حدیث سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں اللہ کو دیکھنا ناممکن ہے۔ نبی ﷺ نے بھی نہیں دیکھا اور موسیٰ علیہ السلام تو بے ہوش ہو گئے۔ سری سقطی صاحب اور ان کے مریدوں کا کیا پوچھنا! یہ تو اس کمال کو پہنچے جو انبیاء کی پہنچ سے بھی بہت دور تھا۔ مرید اللہ کے رسولؐ کو خواب میں دیکھتا ہے تو پیر اللہ کو دیکھ لیتا ہے! قرآن و سنت کے بیان میں اور اہل تصوف کے دعویٰ ہائے خدائی میں کیا بعد المشرقین ہے!

۵۔ حضرت محمد بن علی ترمذیؒ نے ایک مرتبہ مجھے ایک کتاب کے چند اجزاء دیئے اور فرمایا کہ انہیں دریائے جیحون میں ڈال دو۔ میرے دل نے مجھے اس کی اجازت نہ دی چنانچہ میں نے ان کو گھر میں رکھ دیا اور واپس آ کر حضرت سے کہہ دیا کہ میں ڈال آیا ہوں۔ حضرت نے سوال کیا کہ پھر تم نے کیا دیکھا؟ میں نے عرض کی کچھ بھی نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا "تو پھر تم نے وہ اجزاء دریا میں نہیں ڈالے، چلو اور انہیں دریا میں ڈال کر آؤ۔" میں واپس آیا اور میرا دل وسوسوں میں مبتلا تھا، پھر بھی جب میں نے انہیں دریا میں پھینک دیا تو دریا کا پانی دو حصوں میں بٹ گیا اور اس میں سے ایک صندوق نمودار ہوا جس کا دروازہ کھلا تھا۔ جب وہ اجزاء صندوق میں جا چکے تو اس کا منہ بند ہو گیا اور پھر پانی بھی آپس میں مل گیا۔ میں نے واپس آ کر یہ ساری کیفیت بیان کی تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں اب تم نے واقعی وہ اجزاء دریا میں ڈال دیئے ہیں۔ میں نے عرض کی "اے شیخ! اس معاملہ کے بعد مجھے ضرور بتلایئے۔" آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ کتاب اصول طریقت اور اس کے اسرار و رموز کی تشریح میں تصنیف کی تھی مگر لوگوں کے لئے اس کا سمجھنا دشوار تھا چنانچہ یہ کتاب مجھ سے میرے بھائی حضرت خضر علیہ السلام نے مانگ لی اور اللہ تعالیٰ نے اس دریا کو حکم دیا کہ وہ کتاب ان تک پہنچا دے۔"

(کشف المحجوب، صفحہ ۲۱۰)

اس واقعہ میں بھی اہل تصوف کے تصرف اور کائنات کے تکوینی عوامل میں ان کی کارپردازی ظاہر ہو رہی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنا عصا دریا میں مارو تو انہوں نے جب اپنے عصا کو دریا میں مارا تو وہ پھٹ گیا تھا۔ طریقت اور اس کے اسرار و رموز بھی گویا ایسی ہی چیز ہیں جن کو دریا میں ڈالنے سے دریا دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا میں راستہ بنا تھا اور صوفیاء کے لئے اس میں سے صندوق برآمد ہوا۔ صندوق کیا تھا گویا آبدوز تھی جو دریا کی تہ سے سطح آب پر آئی، دروازہ کھلا، اس میں کتاب داخل ہوئی اور وہ پھر دریا کی تہ میں پہنچ کر خضر علیہ السلام کی طرف محو سفر ہو گئی! صوفی صاحب کا خضر علیہ السلام سے رابطہ بھی خوب ہے! خضر علیہ السلام کا تصوف کے رموز پر کتاب کی خواہش کرنا تو اس پر مستزاد ہے! اصل میں یہ سب اس دین طریقت کی کارفرمائی ہے۔ یہ تو پانی میں آگ لگا دے، پانی کا دو حصوں میں پھٹنا اور اس سے صندوق برآمد ہونا تو معمولی بات ہے!

۶۔ محمد بن اسماعیل خیر النساج کے بارے میں لکھا ہے

کہتے ہیں کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو شام کا وقت ہو رہا تھا، نزع کی بیہوشی سے ذرا افاقہ ہوا تو آنکھیں کھول کر ملک الموت کی طرف دیکھا اور فرمایا: قضاء حاجتک ان کنت عبدا مامورا وان کنت ربا فانا لا اموت ابدا۔ لا یموتک وما امرت به لا یموتک وما امرت به فهو منی" یعنی فیما امرت به ثم امضی فیما امرت به (اللہ تجھے معاف کرے اگر تو اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ ہوں جو ایک کام پر مامور ہے اور میں بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں جو ایک کام پر مامور ہوں، تاہم جس کام کا تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ تم سے فوت نہیں ہو رہی البتہ مجھے جس کام کا حکم دیا گیا ہے وہ مجھ سے فوت ہو رہا ہے۔ پھر آپ نے پانی منگوا کر وضو کیا اور شام کی نماز ادا کی اور پھر جان دے دی۔ (کشف المحجوب، صفحہ ۲۱۸)

قرآن کہتا ہے کہ جب موت آتی ہے تو ذرا بھی تاخیر نہیں ہوتی۔ اللہ نے موت کا وقت مقرر کر دیا لیکن یہ ہستیاں ملک الموت سے مذاکرات کر کے کچھ تاخیر کرا لیتی ہیں! غور فرمایئے، اس واقعہ میں تو ملک الموت سے محض مذاکرات کے ذریعہ اپنی موت میں کچھ تاخیر کرا لی گئی ہے اور اپنی مرضی سے جان دی ہے، یہ تو غنیمت ہے کہ انہوں

نے تھوڑی تاخیر کر کے جان دیدی، اگر یہ جان دینے پر تیار ہی نہ ہوتے تو ملک الموت بے چارہ کیا کرتا، بے ہاتھ پیر چھٹنے کی بات! یہ تو ایسی "صاحب اختیار و جبروت" ہستیاں ہیں کہ ملک الموت سے ارواح کا تھیلا تک چھین لیتی ہیں! العیاذ باللہ قرآن میں سلیمان علیہ السلام کی موت کا تذکرہ بھی موجود ہے کہ کس طرح وہ جنات سے کام لے رہے تھے اور اپنے عصا کے سہارے کھڑے ہوئے تھے کہ ان کی موت کا وقت آپہنچا اور ان کو اتنی بھی مہلت نہ ملی کہ وہ اپنا کام مکمل کروالیتے یا اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنی خواب گاہ تک ہی پہنچ جاتے بلکہ اسی حالت میں ان کی روح قبض کرلی گئی اور جنات نہیں دیکھ کر یہی سمجھتے رہے کہ وہ ہمارے کام کی نگرانی کررہے ہیں لیکن جب ان کے عصا کو دیمک نے کھالیا اور وہ کمزور ہو کر ٹوٹا ہے تب سلیمان علیہ السلام گرے ہیں اور جنات پر یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو تو موت آچکی ہے۔ دیکھئے سلیمان علیہ السلام تو گھڑی بھر کے لئے بھی اپنی موت کے وقت کو نہ ٹال سکے، اور وہ کیسے ٹال سکتے تھے جبکہ اللہ کا قانون ہی یہ ہے کہ:

اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۔ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (پ ۲۹)

"جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے تو پھر نہیں ہوتی کسی کی ٹال مٹول ہوتے ہوتے۔"

اب ان بیچ ان طریقت کی تو شان ہی اور ہے، اللہ کا قانون تو گویا ان کے گھر کی لونڈی ہے (معاذ اللہ):

۷۔ اور حکایت میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تو نے کس عمل کی بدولت یہ درجہ حاصل کیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ میں نے ہوا (خواہش) کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا ہے، یہاں تک کہ ہوا میں پرواز کرنے لگا ہوں۔"

(اشعۃ اللمعات، جلد سوم)

گزشتہ سطور میں ایک صوفی صاحب کا شیخ آب پر مانند چلنے کا واقعہ گزرا ہے، وہاں پر تبصرہ میں لکھا گیا تھا کہ یہ لوگ ہوا میں اڑتے ہیں، پانی پر چلنا ان کے لئے کون سی بڑی بات ہے۔ اب اس واقعہ میں ہوا میں اڑنے کا واقعہ بھی مذکور ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ معراج والی رات براق پر سوار ہو کر آسمانوں میں گئے تھے۔ واقعہ معراج سراسر معجزہ تھا، اس میں بھی آپ ﷺ براق پر سوار ہو کر گئے تھے اور کفار کے مطالبے کے باوجود آسمانوں پر چڑھ کر اور ہواؤں میں اڑ کر نہ دکھا سکے، حالانکہ وہ خواہش نفس کو سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر زیر کرنے والے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جنہیں "رضی اللہ عنہم" کا ربانی سرٹیفکیٹ ملا اور جو بلاشبہ خیر القرون میں سرفہرست ہیں اور امت کے سب سے بڑے ولی ہیں، وہ بھی نہ تو پانی پر چل پائے اور نہ ہوا میں اڑ سکے۔ انہیں دریا عبور کرنے کے لئے پانی میں اترنا پڑا۔ اور یہ صوفی لوگ ہیں جو خواہش نفس کو زیر کرکے اس کمال کو پہنچ جاتے ہیں کہ ہواؤں میں اڑنے لگتے ہیں۔ کیا شان ہے ان "اولیاء" کی!

بغیر کسی مشین یا آلے کے ہواؤں میں اڑنے کے دعوے کرنے والے دراصل خوابوں کی دنیا کے باسی ہیں یا توہم پرستی کا شکار۔ آج جدید علوم کا دور دورہ ہے۔ انسان ہوا کو مسخر کرکے ہوائی جہاز اور دیگر ہوائی جہاز اڑانے والے جانتے ہیں کہ خواہش نفس کو زیر کرکے ہواؤں میں اڑنے کی بات حماقت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات تو فوق الاسباب ہوتے ہیں، لیکن ان پر انبیاء کو اختیار نہیں ہوتا، وہ اللہ کی مرضی و مشیت کے تحت ہی ظاہر ہوتے تھے۔

۸۔ وہ الفاظ جو مصنف کے بارے میں لکھے

[illegible] ہے کہ آپ [illegible] فرمایا ہے کہ [illegible] ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے [illegible] فرمائے ہیں۔ جس نے [illegible] مجھے [illegible] آپ نے [illegible] ہوں نے آپ کی زیارت کی یا مجھے خواب میں دیکھا۔ [illegible] حبیب اللہ [illegible] اللہ [illegible] ہوں [illegible] میں [illegible] ہوں۔)

(اشعۃ اللمعات، جلد سوم)

اس واقعہ میں بھی وہی چیز یعنی خوابوں میں دیکھنے کا معاملہ ہے اور ان کو عالم غیب کا جاننے والا بنایا گیا ہے۔ اس پر گزشتہ سطور میں واضح تبصرہ کردیا گیا ہے۔ اس میں ایک نئی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ ہستیاں جب عرش میں تشریف لے جاتی ہیں تو وہاں اللہ کے نبی ان کا استقبال کرتے ہیں۔ ان کا اپنے بارے میں یہ زعم ہے کہ ان کا مقام نبوت سے بلند ہے (ان عربی۔ فتوحات مکیہ) لہٰذا جب ان کا مقام نبوت سے بلند ہے تو نبی کیوں نہ ان کا استقبال کریں۔ یہاں ایک اور بات قابل غور ہے کہ یہ لوگ تصوف اور طریقت کا وعظ کرتے ہوئے خانقاہوں میں جا نہیں دیں اور خدائی کا دعویٰ کرتے ہوئے خانقاہوں میں جا نہیں دیں اور مریں تو "حبیب اللہ"، "مات فی حب اللہ" اور "قتیل اللہ" کہلائیں اور یہ ان کی پیشانی پر لکھا ہوا نمودار بھی ہو جائے! کیسی بے سروپا بات ہے جو یہ لوگ لکھتے اور بیان کرتے ہیں۔ تقریباً سوا لاکھ کے قریب انبیاء مبعوث ہوئے، لاکھ سے اوپر صحابہ [illegible] فوت ہوئے، بیسیوں سے شہید ہوئے، کسی کی پیشانی پر کچھ بھی لکھا ہوا نمودار نہیں ہوا۔ کیا دین طریقت کے یہ کاروبار یہ موقف ہے کہ صحابہ کرامؓ جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے ان کا مقام شہادت طبعی موت مرنے والے صوفیوں سے کمتر ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ انبیاء اور انبیاء کے متبعین سے ان کو کوئی تعلق خاطر تھا ہی نہیں، تب ہی تو جو معاملات ان کے ساتھ رہے یہ ان سے بالاتر تھے۔

۹۔ صحوہ سکر کے باب میں لکھتے ہیں

جیسا کہ حضرت داؤد کی ایک نظر سے وہاں پڑی جہاں نہ پڑنی چاہئے تھی یعنی اوریا کی بیوی پر تو آپ کو حق تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کا سامنا کرنا پڑا لیکن جب بندہ حق تعالیٰ کے ساتھ قوم ہو جاتا ہے تو صحو سے حال مختلف ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ کی یہ شان تھی کہ حضرت زینب کی بیوی پر پڑی تو حضرت زید پر ظاہر ہوئیں۔ اس سے کہ حضرت زید کی نظر حالت سکر میں تھی اور [illegible] حالت صحو میں۔

(اشعۃ اللمعات، جلد سوم)

علی ہجویری صاحب نے محولہ سطور میں دو نبیوں کی نگاہوں کا ذکر کرکے "صحو و سکر" کے فرق کو واضح کیا ہے۔ داؤد علیہ السلام کی نگاہ اوریا کی بیوی پر پڑی اور نبی آخر الزماں کی نگاہ زید کی بیوی پر۔ یہ اقتران حال کو معصوم تو ہونا چاہئے کہ آخر یہ داستان ہے کیا جس کو علی ہجویری نے بیان کیا ہے؟ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کے متعلق یہودیوں کی الزام تراشی کی روایت جس کو صحیح مان لیا گیا ہے اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ اوریا کی بیوی کو انہوں نے غسل کرتے دیکھ لیا اور اس کو حاصل کرنے (معاذ اللہ) اس کے ساتھ صحبت کی۔ یہودیوں کا اپنے محسن نبی داؤد علیہ السلام پر لگایا گیا یہ جھوٹا اور بے سروپا الزام ہے جس کو یہاں درست مان کر بیان کیا گیا ہے۔ اس کو اس انداز سے بیان کرنا یہودی اسرائیلیات کو جہان کی انبیاء علیہم السلام سے متعلق معلومات کی دیرینہ روش ہے جس کی اس طرح بے باکانہ تائید و توثیق کی گئی ہے۔ پھر اسلام کے خلاف اس طاغوتی سازش کے سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے نبی ﷺ پر بھی ایسا ہی جھوٹا، من گھڑت اور خلاف واقع الزام عائد

کر دیا گیا کہ ان کی نگاہ بھی وہاں پر پڑی جہاں نہ پڑنی چاہئے تھی یعنی نبی علیہ السلام نے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کو جو زید بن حارثہ کی بیوی تھیں، اس حالت میں دیکھا جس حالت میں آپ کی نگاہ نہ پڑنی چاہئے تھی، تو وہ زید پر حرام ہو گئیں۔ انبیاءؑ پر یہودیوں اور منافقین کے لگائے گئے الزامات اور من گھڑت واقعات کو بجوری صاحب نے صحیح مان کر تصوف کی اصطلاحات کو ثابت کرنے کے لئے حوالے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ عصمت انبیاء کے رکھوالے کہاں ہیں؟ صدیوں سے موجود یہ کتاب جو لوگوں کے "تزکیہ" کا کام کر رہی ہے اس میں انہیں آج تک یہ گھناؤنی تہمت نظر نہیں آئی۔ آخر کیوں؟ یہودیوں کی طرح ان کے آلودہ ذہن کی پروڑ نے انبیاء علیہم السلام کو بھی نہ چھوڑا!

۱۰۔ حضرت بایزید سے لوگوں نے دریافت کیا "بم وجدت ما وجدت" (آپ نے جو مقام پایا ہے وہ کس طرح حاصل کیا ہے؟) کہ قال بصحبۃ مع اللہ عزوجل (جواب دیا حق تعالیٰ کے ساتھ اچھی ہم نشینی اختیار کرنے کی وجہ سے) یعنی باادب اور اچھی صحبت سے کہ میں خلوت میں بھی اسی طرح رہا جس طرح جلوت میں۔ اور جہاں والوں کو چاہئے کہ اپنے معبود کے مشاہدے میں آداب کی حفاظت کا سبق زلیخا سے سیکھیں کہ جب وہ حضرت یوسفؑ کے ساتھ خلوت میں ہوئی اور حضرت یوسفؑ سے اپنی خواہش پوری کرنے کی درخواست کی تو پہلے اپنے منہ کا پردہ کسی کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ حضرت یوسفؑ نے پوچھا تم یہ کیا کرتی ہو؟ کہنے لگی "اپنے معبود کا منہ ڈھانپ رہی ہوں تاکہ وہ مجھے تمہارے ساتھ اس بے حرمتی کی حالت میں نہ دیکھے کیونکہ یہ خلاف ادب ہے" اور پھر جب حضرت یوسفؑ سے مشرف کیا تو زلیخا کو جو ان کر کے اسے اسلام کی توفیق نصیب فرمائی اور اسے حضرت یوسفؑ کی زوجیت و نکاح میں دے دیا۔ پھر جب حضرت یوسفؑ نے اس کے قریب جانے کا ارادہ کیا تو وہ پیچھے ہٹ گئی، حضرت یوسفؑ نے کہا "زلیخا! میں تجھ کو بوڑھی دکھائی نہیں دیتا ہوں؟ تو مجھ سے گریز کیوں کر رہی ہے کیا تمہارے دل سے میری محبت ختم ہو چکی ہے؟" اس نے عرض کی، نہیں، اللہ کی قسم! محبت اپنی جگہ موجود ہے بلکہ اس میں اضافہ ہو چکا ہے، لیکن میں نے ہمیشہ اپنے معبود کے آداب کا خیال رکھا ہے، اس وقت جب میں تمہارے ساتھ خلوت میں تھی میرا معبود ایک بت تھا جس کی نہ بے دیدار آنکھیں تھیں نہ کان، وہ ان سے دیکھ نہ سکتا تھا، پھر بھی میں نے اس پر کوئی چیز ڈال دی تھی تاکہ بے ادبی کی تہمت مجھ سے اٹھ جائے، اور اب میں ایک ایسا معبود رکھتی ہوں جو آلات و اسباب کے بغیر سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے اور میں جس حالت میں ہوں مجھے دیکھتا ہے، میں ہرگز نہیں چاہتی کہ تارک ادب ہوں۔ (کشف المحجوب، صفحہ ۳۹۸)

اس واقعہ سے یہ عقدہ تو حل ہو گیا کہ صوفی صاحبان جادہ تصوف کے شہسوار صحابہ کرامؓ سے کہیں بڑھ کر ہیں اسلئے صحابہ کرامؓ جو کام نہ کر سکے، جو روحانی کمالات حاصل نہ کر سکے وہ انہیں حاصل تھے! اس کی صاف وجہ اوپر کے واقعہ میں نظر آ رہی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے تو اللہ کے نبی ﷺ کی صحبت اختیار کی تھی، وہ انہی کے صحبت یافتہ تھے، مگر یہ صوفیاء تو براہ راست اللہ کے صحابی ہیں۔ الصحبۃ مع اللہ عزوجل یعنی اللہ کے ہم نشیں ہیں تو یہ کیوں نہ دینی دنیاوی باطنی و روحانی کمال و مرتبے میں ان سے بڑھ کر ہوں!

دوسری بات جو اس واقعہ میں معلوم ہوئی کہ یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے شادی کی حالانکہ قرآن بتاتا ہے کہ

الْخَبِيثٰتُ لِلْخَبِيثِيْنَ وَالْخَبِيثُوْنَ لِلْخَبِيثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ (النور ۲۶)

"خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے اور پاک دامن عورتیں پاک دامن مردوں کے لئے اور پاک دامن مرد پاک دامن عورتوں کے لئے۔"

یوسف علیہ السلام کو بدکاری پر مجبور کرنے والی زلیخا ان صوفیوں کے نزدیک کس مرتبے کی ہے وہ انہوں نے بتا دیا ہے۔ بایزید صاحب نے جہاں والوں کو بھی مشورہ دیا ہے کہ وہ زلیخا سے سبق سیکھیں۔ یہ ہستیاں تو ایسے ہی لوگوں سے سبق سیکھتی رہی ہیں، عارفوں کو استوا ماننے والے زلیخا سے سبق سیکھتے ہیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟

۱۱۔ صاحب طریقت کا مقام

علاوہ ازیں حضرت جنید، حضرت ابو العباس سیاری، حضرت ابو بکر واسطی اور، حضرت محمد بن علی ترمذی، رحمہم اللہ اجمعین جو ارباب طریقت ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ کرامت محو اور تلوین کی حالت میں ظاہر ہوتی ہے نہ کہ حالت سکر میں، اس لئے کہ اولیاء اللہ ملک کے تدبیر کنندہ اور جہان کے احوال سے آگاہ ہیں۔ اور حق تعالیٰ نے ان کو جہان کا والی بنایا ہے اور جہان کا حل و عقد ان کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اور جہان کے معاملات کو ان کے ارادوں کے ساتھ ملا دیا ہے۔ بس ہونا یہ چاہئے کہ ان کی رائے تمام تر اور۔ زیادہ صحیح ہو اور مخلوق خدا کے لئے تمام دلوں سے زیادہ ان کے دل ہی شفیق ہوں، کیونکہ وہ ہر گاہ خدا کو ندی میں پہنچے ہوئے حضرات ہیں۔ (کشف المحجوب، صفحہ ۳۳۰، ۳۳۱)

اس بیان نے تصوف اور طریقت کے رخ سے ذرا سی نقاب ہٹا دی ہے، چشم بینا رکھنے والا ایک عام آدمی بھی اس کے پیچھے چھپے ہوئے چہرے کو دیکھ سکتا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ تصوف اور طریقت کیا ہے؟ تصوف اور طریقت کو جاننے کے خواہشمند سطور بالا میں پیش کی گئی کشف المحجوب کی عبارت پڑھ لیں۔ تصوف اور طریقت کو اسلامی رنگ دینے والے بھی اس سے سبق حاصل کریں۔ اس میں پہلی بات جو بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ کرامت یعنی مافوق الاسباب کارنامے حالت صحو میں ظاہر ہوتے ہیں، حالت سکر میں نہیں۔ کرامت صحو میں ظاہر ہو یا سکر میں کرامت کرامت ہے اور معجزات کا بدلا ہوا نام۔ ان صوفیوں کی کرامات کے آگے تو انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیچ معلوم ہوتے ہیں۔ کسی کو شک ہو تو دونوں کا باہم تقابل اور موازنہ کر کے دیکھ لے۔ دوسری بات جو بیان کی گئی ہے وہ زیادہ اہم اور قابل غور ہے کہ

۱۔ اولیاء اللہ ملک کے تدبیر کنندہ ہوتے ہیں؛

۲۔ جہاں کے والی ہوتے ہیں؛

۳۔ جہاں کا حل و عقد ان سے وابستہ ہوتا ہے؛ اور

۴۔ جہاں کے معاملات کو انکے ارادوں سے ملا دیا گیا ہے۔

یہ درپردہ نہیں بلکہ بے پردہ دعوائے الوہیت ہے۔ جادۂ تصوف کے شہسواروں کی بے چین طبیعتوں کو اس پر ہی اصرار ہے اور یہی ان کی قرار واقعی منزل رہی ہے۔ ایک طرف یہ سب کچھ ہے اور دوسری طرف قرآن و سنت پر مبنی اللہ کا دین ہے۔ قرآن کا تو کہنا ہے کہ

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (السجدہ ۵)

"اللہ ہی آسمان سے زمین تک تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔"

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ (یونس، الرعد ۲)

"تمام کاموں کی تدبیر اللہ ہی کرتا ہے۔"

اور تو اور قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان مشرکوں سے پوچھو کہ

وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (یونس ۳۱)

"اور کون تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ تو (مشرک) جواب دیں گے کہ اللہ۔ پھر آپ ان سے پوچھیں کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔"

مکہ کا مشرک بھی اللہ کو تمام کاموں کا تدبیر کنندہ مانتا تھا جبکہ ان صوفیاء نے تو مشرکین عرب کو کہیں پیچھے چھوڑ دیا ہے، یہ خود ہی تدبیر کنندہ بن بیٹھے ہیں! دراصل ان کے دل میں خدائی کرنے کا جذبہ ہمیشہ موجزن رہا ہے اور اسی جذبہ کے تحت اسطرح کی حرکات کرتے رہے ہیں۔ یہاں یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کائنات اور ہر چیز کا مالک ہے اور اسی کی بادشاہت ہے اور اس نے اپنی بادشاہت میں کسی کو بھی

شریک نہیں ٹھہرایا ہے:

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا (الفرقان ۲)

"اللہ وہ ذات ہے جس کی بادشاہی زمین و آسمان میں ہے اور کسی کو اس نے اپنا بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور اس نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے اور اسکی قدر مقرر کی۔"

لیکن صوفیاء تو رب ذوالجلال کی ہمسری کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں:

۱۲۔ اللہ کی ہمسری

حضرت بایزید نے کہا:

سبحانی ما اعظم شانی "میری ذات پاک ہے، میری شان کتنی بلند ہے۔" (کشف المحجوب، صفحہ ۲۸۲)

یہاں بھی بالکل صاف اور واضح دعوائے الوہیت ہے۔ یک صوفی کی ذات یہی تو چاہتی ہے، یا دوسرے الفاظ میں یہی تو اس کا مقصود و مطلوب و منتہیٰ ہوتا ہے۔

حقیر نطفے کی ایک بوند سے بے کسی و بے سروسامانی میں پیدا ہونے والے کی طرف سے اس قسم کا دعویٰ اپنی اوقات بھول جانے کے مترادف ہے۔ بھلا کہاں پیدا کرنے والا خالق اور کہاں نطفے سے پیدا کی گئی مخلوق! قرآن و حدیث خالق و مخلوق کے فرق کو اجاگر کرتا ہے جب کہ تصوف کے علمبردار اس فرق کو ہی ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ کی ذات پاک اور بلند ہے۔ جبکہ بایزید کا دعویٰ ہے کہ سبحانی ما اعظم شانی: میری ذات پاک اور بلند ہے۔ بایزید یہ دعویٰ کرے تو وہ اللہ قرار پائے اور فرعون دعویٰ کرے کہ انا ربکم الاعلیٰ: "میں تمہارا پروردگار ہوں" تو کافر، زندیق اور ملحد قرار پائے (اور بیشک وہ کافر و زندیق ہے)۔ لیکن یہ بھی تو حقیقت ہے کہ فرعون کے دعوے اور بایزید کے دعوے میں کوئی فرق نہیں۔ ہاں اگر فرق ہے تو یہ کہ بایزید کا دعویٰ فرعون کے دعوے سے دو ہاتھ آگے ہے!

۱۳۔ حضرت بایزید ایک دن اپنے عبادت خانے میں تھے کہ ایک آدمی آیا اور پوچھا کہ ھل بایزید فی البیت (کیا بایزید گھر میں ہیں؟) تو آپ نے جواب دیا کہ ھل فی البیت الا اللہ (گھر میں تو اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے) یعنی حضرت بایزید کمرے میں ہی موجود تھے لیکن جواب یہ دیا کہ میرے گھر میں حق تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے۔" (کشف المحجوب، صفحہ ۳۸۷)

یہ واقعہ بھی "وحدت الوجود" کی تائید کرتے ہوئے یہی بتا رہا ہے کہ اللہ کی ذات اور صوفی کی ذات ایک ہی ہیں، وہ کوئی دو الگ الگ وجود نہیں۔ تب ہی تو بایزید نے گھر میں موجود ہوتے ہوئے اپنے نہ ہونے اور اللہ تعالیٰ کے ہونے کا ذکر کیا۔ کیسا بھیانک کفر و شرک والحاد و زندقہ ہے یہ! اور یہی ہیں جنہیں اولیاء اللہ کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ افسوس صد افسوس! امت کی مت ماری گئی ہے۔

۱۴۔ مشائخ میں سے ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ ایک درویش مکہ مکرمہ آیا اور خانہ کعبہ کے سامنے ایک سال تک اس طرح بیٹھا رہا کہ نہ اس نے کھانا کھایا، نہ پانی پیا، نہ نیند کی اور نہ رفع حاجت کی۔ اس نے اپنی جنس ہمت و ارادہ کو خانہ کعبہ کی رویت کی طرف منسوب کیا تھا، وہی گویا اس کے لئے جسم کی غذا اور جان کا پانی ہو گیا۔ (کشف المحجوب، صفحہ ۳۸۷)

ایک سال تک بغیر کھائے پیئے تو کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ بزرگ یہ درویش انسان تھوڑا ہی ہیں! تب ہی تو ایک سال تک بغیر کھائے پیئے زندہ رہے۔ اللہ کے نبی اور صحابہ کرام تو ان حوائج ضروریہ کے بغیر زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ اور یہ ہیں کہ کمال کے شاید اس درجے تک پہنچے ہوئے ہیں جو نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام سے بھی اعلیٰ و ارفع ہے۔ معاذ اللہ!

۱۵۔ حضرت بایزید رحمہ اللہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کبھی میرے دل پر دنیا کا خیال گزرتا ہے، میں طہارت کرتا ہوں اور جب آخرت کا خیال گزرتا ہے میں غسل کرتا ہوں کیونکہ دنیا پلید ہے اور اس کا اندیشہ حدث (بے وضو ہونے) کا باعث ہے اور عقبیٰ نعمت اور آرام کا محل ہے اور اس کا اندیشہ جنابت ہے (اسی ناپاکی کی وجہ سے غسل واجب ہوتا ہے۔" (کشف المحجوب، صفحہ ۳۲۳)

کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ دنیا پلید ہے۔ دنیا کا ایک باسی ہو کر دنیا کے متعلق اس طرح کا فتویٰ دینا بھی عجیب تر ہے۔ دنیا پلید ہے تو یہ خود اس پلید دنیا میں رہنے والے کیا ہیں؟ حدیث میں تو آیا ہے کہ اللہ نے ساری زمین کو پاک قرار دیکر جائے نماز بنایا ہے اور یہ صوفی ہیں کہ دنیا کو پلید قرار دے رہے ہیں! خود اندازہ لگائیے کہ کیا تھے اور کیا ہیں؟

دوسری بات تو اور بھی زیادہ مکروہ ہے کہ آخرت کا خیال جنابت کی حالت پیدا کرتا ہے۔ اس سے ان صوفیوں کی آوارہ ذہنی اور بے ہودگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ خوف آخرت تو ایک مومن کے شب و روز کا لازمہ ہوتا ہے۔ اور آخرت کے عیش و آرام سے پہلے جو آخرت کی جوابدہی کا معاملہ ہوگا، اس کے خوف سے مومن کانپ کانپ جاتا ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ راتوں میں گریہ وزاری کرتے اور اللہ کی مغفرت طلب کرتے تھے۔ اور صحابہ بھی ان کی سنت کی پیروی کرتے۔ اور نبی ﷺ نے تو ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اپنے اعمال پر نازاں نہ ہونا کہ تم حشر دیئے جاؤ گے، وہاں تو وہی بچ سکے گا جس پر اللہ کا فضل ہوگا۔ بھلا جہاں ایسا کڑا معاملہ ہو وہاں جنابت کا سوال پیدا ہو سکتا ہے؟ یوم حساب اور اللہ کے عذاب سے بے خوفی کا کیا عالم ہے! عقیدۂ آخرت کا کیسا منہ چڑایا جا رہا ہے!

۱۶۔ خواب میں سید عالم ﷺ کی زیارت کی تو میں نے عرض کی "اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے کوئی وصیت فرمایئے۔" آپ نے فرمایا احبس حواسک (اپنے حواس کو قابو میں رکھو) کیوں کہ اپنے حواس کو بند رکھنا ہی عمل مجاہدہ ہے۔ (کشف المحجوب، صفحہ ۳۷۵)

اس طرح سے صوفیوں نے اللہ کے نبی ﷺ پر بہت جھوٹ باندھا ہے۔ ان سے منسوب کر کے بے شمار من گھڑت اقوال بیان کئے ہیں۔ اللہ ہی ان سے نمٹے گا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے تو خبردار کیا تھا کہ جس نے جان بوجھ کر میری طرف وہ بات منسوب کی جو میں نے نہیں کہی ہو یا مجھ پر جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ شاید یہ علم بردار ان طریقت قرآن و حدیث سے قطعاً نا آشنا ہیں۔

۱۷۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کہا کہ "مجھے دیکھو!" تو میں عرض کروں گا کہ "میں نہیں دیکھتا" کیوں کہ محبت میں آنکھیں بھی غیر اور بیگانہ ہیں جب کہ غیریت کی غیرت مجھے دیدار سے باز رکھتی ہے کیوں کہ دنیا میں بھی میں حق تعالیٰ کو آنکھوں کے واسطے کے بغیر دیکھتا رہا ہوں تو آخرت میں اس واسطے کو میں کیا کروں گا۔ (کشف المحجوب، صفحہ ۳۹۲)

لولا اللہ کے باقی تو دیدار الٰہی سے قطعاً محروم رکھے جائیں گے، دوسری بات یہ کہ جنید صاحب دیدار الٰہی کرنے سے انکار کر دیں گے تو ان کی مرضی۔ مومنین کے لئے تو جنت کی سب سے بڑی نعمت یہی ہوگی یعنی دیدار الٰہی، اور رب کا دیدار تو ان کی سب سے بڑی آرزو ہے۔

۱۸۔ دیار خراسان کے ایک گاؤں میں گیا جو صعلک کے نام سے مشہور تھا۔ وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا جسے لوگ مرد صعلوی کہتے تھے اور اس میں تمام خصلتیں موجود تھیں۔ یہ شخص بیس سال پانی پر ہی گزارا رہا تھا اور نماز میں تشہد کی حالت کے علاوہ بالکل نہ بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگا میں ابھی اس درجہ پر نہیں پہنچا کہ حق تعالیٰ کے سامنے بیٹھ جاؤں۔ (کشف المحجوب، صفحہ ۳۹۸)

ان صوفیوں کی باتیں تو بے سر و پا ہوتی ہی ہیں لیکن ان

کی حرکتیں بھی بڑی عجیب ہوتی ہیں۔ بھلا کسی صحیح الدماغ آدمی سے اس قسم کے افعال سرزد ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ان بزرگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دین میں آسانی رکھی ہے، تنگی اور سختی نہیں، جیسا کہ قرآن میں فرمایا:

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ
(البقرہ ۱۸۵)

"اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔"

۱۹۔ علی ہجویری بیان کرتے ہیں:

ایک دفعہ میں اور دوستوں کے ہمراہ مشق سے حضرت ابن المعلا کی زیارت کے لئے گیا۔ وہ رملہ نامی گاؤں میں رہائش پذیر تھے۔ راستے میں ہم نے ایک دوسرے سے کہا ہم سب کو اپنے اپنے دل میں کسی درویش واقع کا خیال رکھنا چاہئے تاکہ وہ بزرگ ہمارے باطن سے ہمیں مطلع کریں اور ہمارا وہ مسئلہ بھی حل ہو جائے۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ سے کہا "مجھے تو ان سے حسین بن منصور کی مخلوم مناجات چاہئے۔" دوسرے نے کہا "میں ان سے اپنی تلی کے تندرست ہو جانے کی دعا کرانا چاہتا ہوں۔" اور تیسرے نے کہا "میں ان سے صاحبی سوے کا خواہشمند ہوں۔" جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کے حکم سے ایک کاغذ پر حسین ابن منصور کی مناجات کے اشعار لکھے ہوئے پڑے تھے۔ آپ نے وہ ہمارے سامنے رکھ دیئے۔ پھر ایک دوسرے کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو اس کی مرض بھی ختم ہو گئی، اور پھر اس تیسرے سے کہا "سونی جاؤ، تو شاہی خادموں اور نوکروں کی طرح ہے، تم ریشم کا لباس پہنے ہوئے ہو، ریشم کا لباس پہننے والوں کو شاہی خادموں کا سا معاملہ کرنا درست نہیں ہے۔" (کشف المحجوب، ص ۵۰۹، ۵۱۰)

اس واقعہ میں بھی صوفیوں کے علم غیب اور لوگوں کے باطن جاننے کا ذکر ہے جس کی پچھلے صفحات میں کافی وضاحت ہو چکی ہے، یہاں اعادے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس میں ایک نئی بات یہ آئی ہے کہ یہ صوفی لوگوں کی بیماریاں بھی دور کر دیتے ہیں، جیسا کہ درج بالا واقعہ میں تلی کے مرض کا دور کر دینا مذکور ہے۔ اب ذرا قرآن اٹھایئے تو اس میں تو ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول ملے گا کہ

واذا مرضت فھو یشفین (الشعراء ۸۰)

"جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی اللہ مجھے شفا دیتا ہے۔"

اللہ کے برگزیدہ نبی ابراہیم علیہ السلام تو کہیں کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ مجھے شفا دیتا ہے، اور علی ہجویری صاحب فرماتے ہیں کہ بزرگ صوفی بھی ہاتھ پھیر کر امراض کو دور کر دیتے ہیں۔ جادہ تصوف کے رہنماؤں کی ایک ایک بات نرالی ہے اور قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنے والے کے لئے اجنبی!

الغرض ان صاحب طریقت ہستیوں کے "خدائی کارناموں" سے ان کی اور ان کے عقیدت مندوں کی کتابوں کے بے شمار صفحات بھرے ہوئے ہیں جن میں سے کچھ اقتباسات بطور نمونہ یہاں پیش کئے گئے ہیں۔ دین حق کا متلاشی کتاب اللہ کی کسوٹی پر پرکھ لینے کے بعد بآسانی ان کی حیثیت کا تعین کر سکتا ہے۔ دراصل تیسری صدی ہجری سے دین حق کے مقابلے میں دین طریقت کی تحریک زور و شور سے اٹھی اور محدثین و فقہا کے مقابلے کے لئے "پیران طریقت" کی فوج تیار کی گئی اور قرآن و سنت کے مقابلے میں موضوعات و اقوال پر مشتمل مکتوبات و ملفوظات کے دفتر تیار ہونے لگے۔ تفرقہ پردازی کے ذریعے اعتصام بحبل اللہ کے قلعہ کو منہدم کرنے کی سازش ہوئی اور احبار و رہبان نے مل کر ایمان کے اس خاطتی قلعے پر یلغار چالیا، اور اپنی کامیابی کے جھنڈے لہراتے ہوئے بالآخر یہاں تک پہنچ گئے کہ انسانوں کی اکثریت قرآن و سنت سے قطعاً آشنا ہو کر ان ہی ملفوظات وغیرہ کو قرآن و حدیث کا درجہ بلکہ اس سے بھی بلند مقام دے بیٹھی۔ پھر قرآن و حدیث کا تمسک، عصمت انبیاء پر دست درازی اور صحابہؓ کی تنقیص سب کچھ ان کے لئے آسان ہو گیا، جس کا کچھ اندازہ گزشتہ سطور سے لگایا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے امتحانی منصوبے کے تحت طاغوت اور اس کے متبعین کو کچھ چھوٹ دی ہے، چنانچہ حق و باطل کی کشمکش روز ازل سے جاری ہے۔ ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ محکم دلیل

فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لاانفصام لھا
(البقرہ ۲۵۶)

"تو جو شخص طاغوت کا کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جو اس سے جدا ہونے والا نہیں"

کے تحت طاغوت کا کفر کیا جائے اور اس سے محبت اور اس کے احترام کے بجائے برأت و اجتناب کی روش اختیار کی جائے۔

امید ہے کہ ان سطور کا مطالعہ حق کے متلاشی کو دین طواغیت کو پہچان کر ان سے برأت کرنے اور پوری طرح مجتنب ہونے میں مددگار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن سمجھ کر پڑھنے اور اس پر غور کرنے کی توفیق عطا فرمائے، نبی علیہ السلام اور آپ ﷺ کی سنت سے محبت اور اتباع سنت کا ذوق اور سچے اولیاء اللہ سے محبت اور ان کے نقش قدم کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بقیہ ماہ صیام

(۱۲۹) ایضاً۔ (۱۳۰) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۳۱۔ (۱۳۰) بخاری، کتاب الاذان، باب ۳۵۱۔ (۱۳۱) مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب صلوۃ اللیل۔ (۱۳۲) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲۵۴۔ (۱۳۳) ایضاً، باب ۱۲۵۶۔ (۱۳۴) ایضاً۔ (۱۳۵) ایضاً، باب ۱۲۵۷۔ (۱۳۶) ترمذی، ابواب الدعوات۔ (۱۳۷) بخاری، کتاب الصوم، ابواب الاعتکاف، باب ۱۔ (۱۳۸) ایضاً۔ (۱۳۹) ایضاً، کتاب الصوم، باب ۱۲۵۷۔ (۱۴۰) مسلم، کتاب الاعتکاف، باب الاجتہاد فی العشر الاخر من رمضان۔ (۱۴۱) مسلم، کتاب الاعتکاف، باب ۱۔ (۱۴۲) ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب الاعتکاف فی قبۃ المسجد۔ (۱۴۳) ایضاً، باب الحصیر یلزم مکانا من المسجد۔ (۱۴۴) ابوداؤد، کتاب الصیام، باب ۲۵۷۔ (۱۴۵) ایضاً، باب ۲۵۹۔ (۱۴۶) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۲۶۸۔ (۱۴۷) ایضاً، باب ۱۲۷۶۔ ابوداؤد، کتاب الصوم، باب ۲۵۶۔ (۱۴۸) بخاری، کتاب الصوم، باب ۱۱۹۱۔ (۱۴۹) متفق علیہ، بحوالہ مشکوۃ، کتاب الزکوۃ، باب صدقۃ الفطر۔ (۱۵۰) ایضاً۔ (۱۵۱) ابوداؤد، نسائی، بحوالہ مشکوۃ، ایضاً۔ (۱۵۲) مسلم، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ الفطر۔

حدیث نبوی ﷺ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔" صحابہ نے عرض کیا، "اے اللہ کے رسول! وہ (سات ہلاک کرنے والی) کیا ہیں۔" فرمایا، اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، اس جان کو قتل کرنا جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر یہ کہ حق کے ساتھ ہو، اور سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، لڑائی کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگنا، پاکدامن و بے خبر مومنہ عورتوں پر تہمت لگانا۔

(متفق علیہ، بحوالہ مشکوۃ باب الکبائر و علامات النفاق)

ایمان کے تقاضے

اُمِّ سارہ

افسوس صد افسوس! آج یہ کلمہ گو امت کس طرح تفرقہ پردازی کا شکار ہے! ہر فرقے کے عقائد شرک سے آلودہ ہیں۔ یہ مُردوں کو قبروں میں زندہ سمجھتے ہیں، بلکہ زندوں سے بھی زیادہ! ان کے عقیدے کے مطابق منوں مٹی تلے دبے مردے زائرین کو پہچان لیتے ہیں۔ دیدہ میں تیر کر لیتے ہیں، اشرف قبور کے ذریعے یہ زندہ لوگ مُردوں سے رابطہ کر لیتے ہیں تو وہ ان کو غیب کی باتیں بھی بتا دیتے ہیں؛ چنانچہ مُردوں سے فیض حاصل کرنا اور ان کے واسطے وسیلے سے مانگیں مانگنا ان کے ایمان کا جزو لاینفک بن چکا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی مُردہ شخص ان کا داتا ہے تو کوئی گنج بخش، کوئی غوث اور غوث الاعظم ہے اور کوئی ان کا حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ اس اسی طرح مردہ پرستی کے قدیم مشرکانہ دین پر انہوں نے اسلام کا لیبل لگا دیا ہے، اور پھر بھی اپنے آپ کو موحد سمجھتے ہوئے اہلسنت اور عاشق رسول ہونے کے دعویدار بن بیٹھے ہیں۔ ایک طرف تو تعلیمات رسول ﷺ کو پامال کرتے ہوئے قبروں کو پکا کر کے گنبد بنانا، وہاں حاضری دینا، چڑھاوے چڑھانا، نذرانے پیش کرنا، ان سے اولاد مانگنا، خیر و برکت کے لئے التجائیں کرنا، قبروں کی مٹی کو خاک شفا تصور کرنا ان کا دین ہے تو دوسری طرف تعویذ، گنڈوں، کڑوں، چھلوں، دھاگوں اور نگینوں سے نفع و نقصان کا حصول ان کا عقیدہ ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کاموں کو مشرکانہ قرار دیا ہے۔ یہ مردہ پرست قوم کس طرح اپنے زعم میں مُردوں کو خوش کرنے اور مُردوں کا شکر ادا کرنے کیلئے ان کے دن مناتی ہے، ان کے نام کی نذر و نیاز میں اپنے وسائل لٹاتی ہے! اس کو اللہ کے قہر و غضب کا ذرا بھی خوف نہیں رہا۔ اسی لئے تو آج دنیا میں ذلت و رسوائی اس کا مقدر بنی ہوئی ہے۔

الحمد للہ کفر و شرک کے ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اِلٰھُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کی پکار اٹھی کہ لوگو! اللہ ہی کو اپنا رب مانو، اس کی ذات و صفات، حقوق و اختیارات میں کسی کو شریک نہ کرو، اس کے سوا کسی اور کو داتا، دستگیر، مشکل کشا، حاجت روا، غوث اور غوث الاعظم نہ کہو، اس کے آخری رسول ﷺ اور ان کی سنت سے محبت ایمان کا لازمی تقاضہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان خالص کے ساتھ، اپنے سچے دین کی دعوت کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ قرآن و حدیث کے مطالعے سے اللہ تعالیٰ نے صحیح دین کا شعور عطا فرمایا۔ یہ اسی کا فضل و کرم ہے اور اسکے لئے ہم اپنے مالک کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے کہ اس نے ہم جیسے کمزور اور کم مایہ انسانوں کو اس کام کے لئے چھانٹا کہ اس کے دین پر عمل کریں اور لوگوں کو اس کی دعوت دیں۔ یہ تو اس بزرگ و برتر رب کی عنایت و نوازش ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک

اب ہم پر یہ ذمہ داری ہے کہ ہم دین اسلام اور اس کے تقاضوں کو سمجھیں اور پوری طرح خود بھی اس پر عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیں اور اس راہ میں آنے والی آزمائش پر صبر کریں۔ اسلام کا بنیادی مفہوم ہی یہ ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پیروی کے لئے ضروری ہے کہ ہم تسلیم و رضا کے پیکر بن کر خوشی و خوشدلی کے ساتھ اسلام کے تقاضوں کو پورا کریں، اور اس کے لئے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ اس عظیم نعمت کی قدر دانی کا تقاضا ہے کہ ہم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی میں اپنے اخلاق و کردار، شب و روز اور طریقہ رہن سہن کو بدلیں، اور اس کے برعکس دنیا پرستوں کے انداز فکر و عمل سے برأت و بیزاری کا اظہار کریں اور نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسوۂ حسنہ کو پوری طرح اختیار کرنے کی کوشش کریں۔ سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو عطا کی ہوئی نعمت کا ذکر فرماتا ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (الحجرات ۷)

"اور اللہ نے تو تمہیں ایمان کی محبت دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا ہے، اور کفر و نافرمانی اور گناہوں سے تمہیں متنفر فرما دیا ہے، اور (جو اس مومنانہ طرز عمل کو اختیار کریں تو) وہی راہ راست پانے والے ہیں۔"

ایمان لانے کے بعد سب سے پہلا فرض جو مومن بندے پر عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر عمل میں رسول ﷺ کی پیروی کرے۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء ۶۵)

"آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوں گے جب تک اپنے معاملات میں آپ کو حکم (فیصلہ کرنے والا) نہ مان لیں اور آپ کے فیصلے سے دل میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ اسے خوشی کے ساتھ تسلیم کریں۔"

حدیث رسول ﷺ ہے کہ

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

(بخاری و مسلم، کتاب الایمان)

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہ ہو گا جب تک کہ میں اسے اس کے ماں باپ اور اولاد اور سارے انسانوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔"

یعنی یہ رشتے ناتے، دوست، احباب، دنیا کی محبت یہ سب مالک نے ہماری آزمائش کے لئے رکھے ہیں تاکہ دیکھا

جائے کہ ہم امر الٰہی کو اہمیت دیتے ہیں یا اپنے نفس کو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَ حُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ (بخاری، کتاب الرقاق)

"جہنم نفسانی خواہشات سے ڈھکی ہوئی ہے اور جنت کا حجاب وہ باتیں ہیں جو نفس کو بری معلوم ہوں۔"

دنیا کی زندگی میں بڑی کشش ہے۔ انسان اگر دنیا کا طالب ہو تو پھر قدم قدم پر اس کو جکڑنے کے لئے یہاں جال موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب، ۲۱)

"رسول اللہ کی زندگی تمہارے لئے عمدہ نمونہ ہے۔"

ہر امت کے لئے رسول آیا اور اس امت کے لوگوں پر اس کی اطاعت فرض کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اطاعت کرنے والوں کو انعام سے نوازا اور نافرمانوں پر غضبناک ہوا: کسی بستی کے لوگوں کو طوفان میں غرق کر دیا گیا، کسی کو تیز و تند آندھی کے ذریعے نیست و نابود کر دیا گیا، کسی کو ہولناک چیخ سے ہلاک کر دیا گیا اور کسی بستی پر پتھروں کی بارش کر کے اسے فنا کر دیا گیا۔ چونکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے امتی ہیں اس وجہ سے ہم پر رسول اللہ ﷺ اور ان پر نازل کی گئی کتاب کی پیروی لازم ہے۔ پیروی کرنے سے ہی ایمان دار کہلائیں گے اور یہی ہمارے ایمان کے عملی ثبوت کا سب سے پہلا مرحلہ ہے۔ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے اوپر اللہ کے احکامات کو پوری طرح نافذ کریں، یہ نہیں کہ ایمان کو ایک لباس سمجھیں کہ جہاں ایمان والوں کی محفل ہے وہاں تو زیب تن کر لیا اور جہاں دنیا والوں کی محفل ہوئی وہاں اتار پھینکا! دیگر انبیاءؑ کی طرح اللہ کے آخری رسول ﷺ بھی انسان تھے۔ آپ ﷺ کی زندگی میں تمام معاملات پیش آئے۔ ہماری رہنمائی کے لئے آپ ﷺ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ احادیث کی صورت میں موجود ہے۔ آپ ﷺ کے رشتہ دار بھی تھے اور دوست احباب بھی۔ معاشرہ میں آپ کی اتنی عزت تھی کہ لوگوں نے آپ ﷺ کو صادق اور امین یعنی سچا اور امانت دار کے القاب دیے۔ آپ ﷺ کی سچائی اور پاکبازی پر سب کو کامل یقین تھا۔ لیکن اسقدر شخصی اعتبار کے باوجود آپ ﷺ نے جب ایمان کی دعوت دی کہ

قُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا

"کہو کہ اللہ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، فلاح یاب ہو جاؤ گے"

تو اس حق اور دعوتِ ایمانی کی وجہ سے لوگ آپ ﷺ کے جانی دشمن بن گئے سوائے گنتی کے چند لوگوں کے۔ اور پھر جو ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھتے تھے وہ گریبان تک جا پہنچے اور محبت بھری آنکھیں شعلہ بار ہو گئیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے دعوت دینے میں کوئی مداہنت نہیں کی اور نہ یہ خیال کیا کہ میرا خاندان مجھ سے ترکِ تعلق کر لے گا، میرے دوست احباب مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔ آج ہم لوگ جو بڑے فخر سے اپنے آپ کو مسلم یعنی اطاعت گزار کہتے ہیں، ہمارا دعوت دینے کا انداز یہ ہے کہ کہیں رشتہ دار ناراض نہ ہو جائیں، تعلقات میں رخنہ نہ پڑ جائے۔ مالک فرماتا ہے:

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ إِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (حم السجدہ، ۳۳)

"اور اس شخص سے زیادہ بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے، نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلم ہوں۔"

سورۂ آلِ عمران آیت ۱۱۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

"تم ہی وہ اچھے لوگ ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لئے میدان عمل میں لائے گئے ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

یہ بات یاد رہے کہ ہمیں ایمان کی دولت صرف اور صرف اس لئے ملی ہے کہ ہم اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے سعی و جہد کریں اور ذاتی اغراض اور خاندانی رسم و رواج کو پس پشت ڈال کر زندگی کے تمام معاملات کو قرآن کی تعلیمات کے مطابق ڈھالیں۔ شادی و بیاہ کا معاملہ ہو، موت و پیدائش کا معاملہ ہو یا زندگی کا کوئی بھی معاملہ ہو ہر موقعہ پر دینی تقاضوں کو ملحوظ رکھیں۔ مثال کے طور پر شادی ہی کے معاملے کو لیجئے۔ رسول اللہ ﷺ کی شادی ہوئی، آپؐ نے اپنی بیٹیوں کا نکاح کیا، صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ وغیرہ نے بھی اپنے بیٹوں بیٹیوں کے نکاح کئے، لیکن نہ کہیں بے جا اسراف ہوا اور نہ ہی نام و نمود، اور نہ ہی ایک دوسرے پر لباس وغیرہ کے معاملے میں سبقت لے جانے کے لئے دکھاوے کی تقریبات کا اہتمام کیا گیا۔ ان کی شادیاں بھی کیا تھیں! اس سادگی و وقار کا نمونہ تھیں۔ صرف چند اشخاص کی موجودگی میں ایجاب و قبول ہوا، پھر ولیمہ کی دعوت ہوئی، اور وہ بھی اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق کی گئی، اپنی واہ واہ کے لئے نہیں، اور نہ ہی جم غفیر جمع کیا گیا بلکہ حاضرین کے سامنے ماحضر پیش کر دیا گیا۔ اُن کی ان تقریبات میں سادگی کا یہ عالم تھا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اتنی سادگی سے شادی کر لی کہ نبی ﷺ تک کو دعوت دینے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی (بخاری، کتاب النکاح)۔ اس کے برعکس آج کل ہمارے یہاں کی تقریبات پر نظر ڈالئے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ منعقد ہی اس لئے کی گئیں ہیں کہ رشتے داروں کے سامنے انواع و اقسام کے پر تکلف کھانوں اور پیش بہا ملبوسات کے ذریعے پیسے کی بے مقصد نمائش کی جائے۔ غور فرمائیے، ہم کس طرح اس اسراف اور تبذیر کے مرض میں مبتلا ہو کر اللہ کے اس فرمان کو بھلا بیٹھے ہیں کہ

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۞ إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۖ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۞ (بنی اسرائیل، ۲۶، ۲۷)

"..... اور بے جا اسراف نہ کرو۔ بیشک اسراف کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا ناشکرا ہے۔"

مومنین اور اسراف دو متضاد چیزیں ہیں چنانچہ اللہ نے قرآن میں اپنے مومن بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا

وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۞ (الفرقان، ۶۷)

"اور (رحمٰن کے بندے وہ ہیں کہ) جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی بخل، بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کی راہ اپناتے ہیں۔"

مومنین کا ہر عمل اسراف و افراط سے پاک ہونا چاہیے۔ اس بات کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ مومنہ خواتین اپنے لباس و جسم کی نمائش کرتی پھریں، کیونکہ عورت کو اپنی آرائش کا اظہار صرف اور صرف اپنے شوہر کے سامنے کرنا جائز ہے تاکہ عوام الناس میں نمائش اور ریاکاری کے لئے! غور کرنے کا مقام ہے کہ شیطان نے کس طرح ہمارے معاملات میں پذیرائی حاصل کر لی ہے۔ عورت معاشرے میں ایک محترم و معزز مقام رکھتی ہے، وہ کوئی نمائشی جنس نہیں۔ اور اسلام نے تو اس کے مقام کو مزید احترام و وقار عطا کیا ہے۔ "عورت" کے معنی تو "پردہ" اور "چھپانے کی چیز" کے ہیں۔ اس "چھپائی جانے والی چیز" کو "عام" کرنا یہ سب ہی خرابیوں اور فساد کا سبب بنتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ

نے اس سے منع فرمادیا۔ نبی ﷺ کے گھر والوں کو حکم دیا کہ

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی (الاحزاب ۳۳)

"اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور (ایمان سے) پہلے کی جاہلیت کے زمانے کی طرح بے پردہ نہ گھومو۔"

اور مزید حکم دیا کہ

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ (الاحزاب ۵۹)

"اے نبی اپنی ازواج وبیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر اوڑھنیاں ڈال کر نکلا کریں تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور انہیں ستایا نہ جائے۔"

گویا کہ مومن اور غیر مومن عورت میں شناختی علامت "پردہ" ٹھہرا۔ یہ بات بھی ذہن نشین کرلی جائے کہ وہ مومن خواتین جن کی گودوں میں مومنین وصالحین پروان چڑھیں اور جن کی آغوش تربیت سے داعیانِ حق اور مجاہدین تیار ہوں وہ بھلا بے دین فیشن پرست دنیاداروں کے لباس و وضع قطع اور انداز رہن سہن کیسے اختیار کرسکتی ہیں؟ ان کی تو چال ڈھال، رہن سہن، کھانا پینا، غرضیکہ ہر انداز دنیا والوں کے لئے ایک مثالی نمونہ ہونا چاہئے جس سے قرونِ اولیٰ کی شان نمایاں ہو۔

اب ایک دوسرا رخ بھی ملاحظہ ہو۔ ہمارے یہاں شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں فوٹوگرافی کو لازمی سمجھا جانے لگا ہے یہاں تک کہ میت کی تدفین وغیرہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ (بخاری و مسلم، کتاب اللباس)

"قیامت کے دن تصویر کشی کرنے والوں کو اللہ سب سے زیادہ عذاب دے گا۔"

لیکن اس فعل کی یہ توجیہ پیش کی جاتی ہے کہ یہ یادگار رہیں گی۔ مومنین کی زندگی میں تو وہی لمحات یادگار ہوتے ہیں جو ایسے آزمائشی مواقع پر بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت میں گزرے ہوں۔ ایمان لانے کے بعد تصاویر کھنچوانا یا کھنچوانا ایمان کے ساتھ منافقانہ قسم کی روش ہے بلکہ مشرکانہ طرزِ عمل کی مشابہت ہے۔ ایمان کا تو یہ تقاضا ہے کہ شرکیہ افعال سے نفرت ہو اور ماضی میں اگر لاعلمی کی بنا پر اس کا ارتکاب ہوگیا ہو تو اب معلوم ہوجانے پر اس کا نشان بھی مٹا ڈالا جائے۔ دورِ جاہلیت میں اگر تصاویر کھنچوائی تھیں اور وہ موجود ہوں تو انہیں بھی ضائع کردینا چاہئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ

لَا تَدَعْ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّیْتَهٗ (مسلم، کتاب الجنائز)

جو تصویر نظر آئے اسے مٹائے بغیر نہ چھوڑنا اور جو قبر اونچی ملے اسے زمین کے برابر کئے بغیر نہ چھوڑنا۔"

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ قبر اور تصویر کیونکہ شخصیت پرستی کی بنیاد ہیں اس لئے ان کو مٹانے کا حکم دیا گیا۔

دوسری جگہ آپؐ نے فرمایا:

اُمِرْتُ اَنْ اَمْحَقَ الْمَزَامِیْرَ (مسند احمد، جزء ۵، صفحات ۲۵۷، ۲۲۸)

"مجھے گانے جانے کے آلات توڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کے بعد ایمان کا تقاضا ہے کہ ہماری تقاریب میں بے پردگی، ویڈیو فلمیں، کیمرے، ساز، گانے، وغیرہ قطعاً نہ ہوں۔ آج موسیقی کو "روح کی غذا" قرار دیا جاتا ہے حالانکہ نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ موسیقی سے ایسے بیزار تھے کہ جہاں گانے جانے کی آواز سنتے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے (ابوداؤد، کتاب الادب، باب کراہیۃ الغناء والزمر) لیکن فی زمانہ اچھے خاصے باشعور افراد اور بعض خود کو ایمان دار کہنے والے لوگ بھی اپنی گاڑیوں میں سفر کرتے ہوئے جائے اللہ کو یاد کرنے کے موسیقی سنتے ہیں کہ راستہ اچھا اور پر لطف کٹے گا۔ ہمیں تو ان تمام کاموں سے جن سے اللہ کے نبی ﷺ نے نفرت کی ہے، نفرت کرنی ہے، بلکہ شدید نفرت، کیونکہ اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿﴾ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿﴾ (النسآء ۱۳)

"یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں رواں ہیں۔ وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی عظیم کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائے گا تو اس کو اللہ جہنم میں ڈال دے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کو ذلت کا عذاب ہوگا۔"

یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ کلمہ طیبہ تو ایک طرح سے ایمان کی حدود میں داخلے کا ٹکٹ ہے۔ اس کے بعد ہی تو قوانین کی پابندی اور حدود و قیود کا سلسلہ شروع ہوتا ہے ان قوانین کی پابندی کا جو مومنوں پر ایمان دار کہلانے کے بعد نافذ ہوتے ہیں۔ مشرک پر اللہ کے احکام میں سے کوئی عمل فرض نہیں، چاہے وہ صوم و صلوٰۃ ہو یا حج و زکوٰۃ یا جہاد فی سبیل اللہ، یہ سارے فرائض تو ایمانِ خالص کے حامل مومنوں کیلئے ہی ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ مومن ہی متقی ہوتا ہے، اللہ کا ڈر، خوف ہی اسے آخرت کی یاد دلاتا ہے، ایمان و عمل کی اصلاح کی طرف لے جاتا ہے۔ مالک فرماتا ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ﴿﴾ (العنکبوت، ۲-۳)

"کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ اس اتنا کہہ دینے پر چھوڑ دئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے، اور ان کو آزمایا نہ جائے؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کرچکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو مزید دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟"

پھر سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۴ میں فرمایا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ ؕ

"کیا تم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت کا داخلہ مل جائے گا حالانکہ ابھی تم پر وہ سب نہیں گزرا جو تم سے پہلے ایمان والوں پر گزر چکا ہے: ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں اور ہلا مارے گئے، یہاں تک پیغمبر اور ایمان والے جو ان کے ساتھ تھے سب پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔"

ایمان کے تقاضوں میں یہ شامل ہے کہ اپنی دوستیاں جو محض دنیوی اغراض اور خواہشات نفس کی خاطر ہوں ختم کردی جائیں۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

اَلرَّجُلُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ یُّخَالِلُ (ترمذی، کتاب الزھد)

"آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، پس تم میں سے جو بھی دوست بنائے تو وہ دیکھ لے کہ کس کو دوست بنا رہا ہے۔"

دوسری جگہ فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ یَغَارُ وَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَغَارُ وَغَیْرَةُ اللّٰهِ اَنْ یَّاْتِیَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ عَلَیْهِ (مسلم، کتاب التوبہ، باب غیرۃ اللہ تعالیٰ)

"اللہ غیرت کرتا ہے اور مومن بھی غیرت کرتا ہے، اللہ

کو اس بات پر غیرت آتی ہے کہ مومن وہ کام کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس پر حرام فرمایا ہے۔"

نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَ ذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ (مسلم، کتاب الایمان، باب کون النهی ...)

"تم میں سے جو شخص کسی بری کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک دے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے، اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل ہی سے سہی، اور یہ سب سے کمزور درجے کا ایمان ہے۔"

یعنی یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کے احکامات کے خلاف کام ہو رہا ہو تو اسے بذریعہ قوت روکنے کی کوشش کریں، اگر نہ روک سکیں تو زبان سے منع کریں، اور اگر یہ بھی نہ کر سکیں تو دل سے تو کم از کم اسے برا جانیں، وہاں سے ہٹ جائیں اور کسی قسم کا بھی تعاون نہ کریں اور نہ اس میں شرکت کریں۔ ایسا کرنے سے ہم کم ایمان کے درجے پر تو رہیں گے لیکن اگر ان کے ساتھ ہی شامل ہو جائیں تو اس کے بعد مالک کی پکڑ سے ہمیں کون بچا سکے گا۔ لیکن صورتحال تو اس کے برعکس ہی نظر آتی ہے۔ اکثر ایسی تقریبات میں شرکت کر لی جاتی ہے، کہیں رشتہ داری کا خیال کر کے تو کہیں دوستی کا لحاظ کر کے اور کہیں لومۃ لائم کے ڈر سے، خواہ وہاں تصویر کشی ہو رہی ہو، زن و مرد کا اختلاط ہو، تعیشات ہوں، ریاکاری اور طمع سازی ہو پھر بھی ان میں سرگرمی سے شرکت کی جا رہی ہے، اور ان شیطانی کاموں میں اپنے تعاون کا یقین دلایا جا رہا ہے! یہ کیسا ایمان ہے؟

شیطان اسی قسم کے وسوسے ڈالتا ہے کہ ہم تو تصویر نہیں کھنچوا رہے، موسیٰ نہیں بجا رہے، پھر ہم ان میں شریک تو نہ ہوئے، اگر ہم بالکل ہی رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لیں گے تو انہیں دین کی دعوت کیسے دیں گے، ہمارا تو معاشرہ بائیکاٹ کر دے گا..... دراصل شیطان کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ وسوسہ اندازی کے ذریعے انسان کو فریب دے اور اللہ کی نافرمانی پر اُکسائے، اس طرح کے شوشے چھوڑے اور اپنے راستے کی طرف مائل کرے۔ کبھی کبھی ہمارے دل میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ اب ہم ایمان لے آئے ہیں تو اللہ ہمیں جنت دے گا اور یہ تو چھوٹا سا گناہ ہے، اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا، لوگ تو اس سے زیادہ گناہ کرتے ہیں، ہم تو پھر بھی بچے ہوئے ہیں..... یہ انداز فکر قطعاً مومنانہ نہیں، یہ اللہ سے بے خوفی کے راستے کی طرف لے جانے والا رجحان ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کو نصیحت کرتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا:

يَا عَائِشَةُ إِيَّاكِ وَ مُحَقِّرَاتِ الْأَعْمَالِ (الذُّنُوبِ)
فَإِنَّ لَهَا مِنَ اللهِ طَالِبًا (سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب ذکر الذنوب/سنن دارمی، کتاب الرقاق)

"اے عائشہ! حقیر سمجھے جانے والے گناہوں سے بھی بچنے کی کوشش کرو کیونکہ اللہ کی طرف سے فرشتے ان کو بھی لکھتے رہتے ہیں۔"

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُونَ أَعْمَالًا هِيَ أَدَقُّ فِي أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ إِنْ كُنَّا نَعُدُّ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْمُوبِقَاتِ (بخاری، کتاب الرقاق، باب ما یتقی من محقرات الذنوب)

"تم لوگ ایسے کام کر لیتے ہو جو (تمہاری نظر میں) بال سے زیادہ باریک ہوتے ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم ایسے اعمال کو مہلکات (یعنی ہلاک کر دینے والے گناہ) سمجھتے تھے۔"

بیشک مالک غفور رحیم ہے، رحمت اور عفو و درگذر اس کی صفت ہے۔ لیکن مومن کی بھی لازمی صفت یہ ہونی چاہیے کہ وہ مسلم یعنی تسلیم و رضا کا پیکر ہو اور اللہ کا مطیع و فرمانبردار بندہ بن کر رہے۔ مومن جانتے بوجھتے گناہ نہیں کرتا۔ حقیقتاً اگر مومن سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ توبہ کر لیتا ہے۔ اور جب وہ توبہ کر کے اللہ کی طرف پلٹتا ہے اور اللہ سے عہد کرتا ہے کہ آئندہ اس نافرمانی کا ارتکاب نہیں کرے گا تو اللہ اسے معاف بھی فرما دیتا ہے۔ یکسو اور مخلص مومن ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ خواہشات نفس، مادی مفادات اور معاشرے کے تعلقات، الغرض ہر قسم کے تحفظات سے بالاتر ہو کر اللہ کے دین کے تقاضے پورے کرے۔ اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ یوم آخرت پر پورا یقین ہو۔

سورۃ الزمر آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلِ اللّٰهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِينِي ﴿﴾ فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُم مِّن دُونِهِ ۗ قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَ أَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ﴿﴾

"(اے نبی آپ) کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے دین کو خالص کر کے اسی (اللہ) کی بندگی کروں گا، تم جس کی بندگی کرنا چاہو کرو۔ اصل نقصان اٹھانے والے تو وہی ہیں جنہوں نے قیامت کے روز اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو گھاٹے میں ڈال دیا۔ سن لو! یہی صریح خسارہ ہے۔"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ فرماتے ہیں:

أَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمَنْكِبَيَّ فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ (بخاری، کتاب الرقاق)

"رسول اللہ ﷺ نے مجھے شانوں سے پکڑ کر فرمایا کہ دنیا میں ایسے رہو جیسے اجنبی یا راہ چلتا مسافر۔"

شیطان دراصل ایمان و کفر کی گھات میں لگا ہوا ہے کیونکہ

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿﴾ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُم بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿﴾ (النحل ۹۹، ۱۰۰)

"بیشک جو مومن ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں ان پر اس کا کچھ زور نہیں چلتا۔ اس کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اسکو رفیق بناتے ہیں اور اس کے ساتھ (اس کی بات مان کر اطاعت کا) شرک کرتے ہیں۔"

جو لوگ ایماندار نہیں وہ تو ہیں ہی شیطان کے راستے پر، باقی اسکے قابو میں۔ ایمان داروں کو شیطانی وسوسہ اندازیوں اور ترغیبات سے ہر وقت چوکنا رہنا چاہیے۔ ایمان کی سب سے بڑی آزمائش دنیا ہے اور دنیا کی سحر انگیزیاں۔ اس میں دولت، جاہ و مرتبہ، رشتے ناتے سب آجاتے ہیں۔

اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان بھی پیش نظر رہے جو بخاری کی ایک طویل روایت میں مذکور ہے:

فَوَاللهِ مَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُلْهِيَكُمْ كَمَا أَلْهَتْهُمْ (بخاری، کتاب الرقاق، باب ۸۱)

"اللہ کی قسم میں تمہارے فقر سے نہیں ڈرتا، لیکن میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم پر دنیا کشادہ کر دی جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کی گئی تھی، تو تم اس کی رغبت کرنے لگو جس طرح وہ لوگ رغبت کرنے لگے، پھر یہ تمہیں غافل کر دے جس طرح ان لوگوں کو غافل کر دیا۔"

ان سب باتوں کے باوجود اگر آدمی میانہ روی کی چال چلے، استقامت کی راہ اپنائے اور یہ ارادہ مصمم کر لے کہ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کو اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے اسوہ بنانا ہے اور اسلام کو پوری طرح ہر قدم پر عمل کرنا ہے تو پھر

کوئی مشکل نہیں رہے گی، کیونکہ مالک وہ ایسے بھی فرماتا ہے کہ جو شخص صدق دل کے ساتھ سچائی کے راستے کی طرف، روشنی کی طرف گامزن ہوتا ہے تو اس کے لئے تمام راہیں منور ہو جاتی ہیں۔ سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ سے روایت ہے کہ

قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ قُلْ لِيْ فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ..... قَالَ قُلْ آمَنْتُ بِاللهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (مسلم، کتاب الایمان، باب جامع اوصاف الاسلام)

"میں نے نبی ﷺ سے کہا: یارسول اللہ! مجھے اسلام سے متعلق ایسی بات بتا دیجئے کہ پھر آپؐ کے بعد کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپؐ نے فرمایا: کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر جم جاؤ۔"

ایک موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا:

اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ (مسلم، کتاب الزھد)

"دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔"

دراصل قوموں کے بگاڑ میں آزاد فکر رکھنے والی خواتین کا بڑا کردار ہوتا ہے کیونکہ وہ جلد ہی شیطان کے وار سے گھائل ہو کر تقویٰ کی راہ سے منحرف ہو جاتی ہیں اور کمزور ایمان اور نرم طبیعت شوہروں پر اثر انداز ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرے کیلئے یہ اصول وکلیہ بنایا ہے کہ:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء، ۳۴)

"مرد عورتوں پر قوام (یعنی نگہبان و سرپرست) ہیں۔"

اس کی مزید تشریح نبی کریم ﷺ کے اس قول سے ہوتی ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (بخاری، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری)

"تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔"

ہمارے اندر جو لاپرواہی کا احساس ہر وقت تازہ رہے۔ اس بات کا احساس ہو کہ کل مالک کی بارگاہ میں کھڑے ہونگے اور وہ ہم سے ہماری رعیت کے متعلق باز پرس کرے گا۔ ہمیں چاہئے کہ گھر والوں کی جانوں کو نار جہنم سے بچانے کے لئے شیطان کے شر سے انکو بچانے کی کوشش کریں، اور اس کیلئے ضروری ہے کہ ان کو اللہ کی حدود و قیود کا پابند بنائیں۔

موجودہ معاشرے میں تہذیب و ثقافت کے نام پر ہمارے اندر برائیوں نے اس حد تک جگہ بنالی ہے کہ برائی بظاہر برائی، گناہ بظاہر گناہ نہیں معلوم ہوتا۔ مثال کے طور پر عید الفطر مسلمانوں کا تہوار ہے، اس میں ایک دوسرے کو تحفے تحائف دے کر خوشی منائی جاسکتی ہے، لیکن عید کارڈ کی رسم ہمارے اندر عیسائیوں سے چلی آئی ہے۔ نبی ﷺ کی حدیث ہے کہ

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (ابوداؤد، کتاب اللباس)

"جس نے کسی قوم کی مشابہت یا نقل کی (یا رسم اپنائی) وہ ان ہی میں شمار کیا جائے گا۔"

ہم مسلم ہیں جس کے معنی ہیں اللہ کا اطاعت گزار۔ تو ہمیں ہر معاملے میں اللہ کی اطاعت کرنی ہے۔ اپنے بچوں کو پوری طرح یہ بات سمجھانی چاہئے کہ ان کے دلوں میں بھی اللہ کی اطاعت گھر کر جائے۔

دوسری بات جو ہمارے یہاں معیوب نہیں سمجھی جاتی وہ سالگرہ ہے، اور اس میں بھی خواتین ہی زیادہ فعال اور سرگرم ہوتی ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ کوئی تو شادی کی سالگرہ منا رہا ہے، کوئی بچے کی، حالانکہ ہم لوگ یہ جانتے ہیں کہ عیدین کے علاوہ کوئی بھی دن منانا اسلام میں بالکل منع ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے سختی سے اس کی ممانعت کی ہے۔ لیکن اکثر ایماندار گھرانوں میں دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر دھوم دھڑکے سے یہ رسم بد نہیں مناتے تو خاموشی سے منالیتے ہیں۔ شادی کی سالگرہ والے دن کھانے کا اہتمام کرتے ہیں، ایک دوسرے سے تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے۔ سالگرہ کے حوالے سے اس قسم کی تقریبات مومن گھرانوں کے شایان شان تو ہرگز نہیں۔ کوئی بھی دن ہو، خواہ ملک کی نام نہاد "آزادی" کا دن ہو یا نبی کی پیدائش یا موت کا، یا کسی اور رسمی تہوار کا، ان کا منانا بدعت ہے، اور بدعت سخت گناہ ہے۔ بچوں کا شروع سے ذہن بنانا چاہئے تاکہ وہ بھی اس برائی کو برائی جانیں۔ پھر یہ نہ ہو کہ ۱۴ اگست کو جھنڈیاں، جیسے دوسرے لوگ لگا رہے ہیں، چراغاں کر رہے ہیں، ہم بھی بچوں کو پیسے دیں کہ وہ بھی یہ کریں، اور پھر اپنے اس فعل باطل کی یہ توجیہ پیش کریں کہ جب شعور آجائے گا تو خود ہی چھوڑ دیں گے۔ عجیب منطق ہے یہ! کیا ہمیں معلوم ہے کہ بچوں کے بڑے ہونے تک ہم زندہ رہیں گے؟ کیا مالک ہم سے اس بناء پر ناراض نہیں ہوگا کہ علم ہونے کے باوجود ہم نے اپنے بچوں میں صحیح اسلامی شعور کو اجاگر کرنے کی کوشش نہیں کی؟ جب ہماری اولاد بالغ ہو کر ان عادتوں میں پختہ ہو جائے گی اور ہمارے منع کرنے پر باز نہ آئے گی اور پوچھے گی کہ آپ نے شروع ہی سے کیوں نہ منع کیا تو ہمارے پاس اس وقت کیا جواب ہوگا؟

بظاہر معمولی نظر آنے والی یہ باتیں ایسی معمولی نہیں کہ ان سے بے توجہی برتی جائے۔ اگر مرد خواتین کے اندر دین کا صحیح فہم پیدا کرنے کی کوشش کریں تو پھر بچوں کی ذہنی تربیت کا کام آسان ہو سکتا ہے۔

ایک بہت ہی ناشائستہ رسم ہمارے یہاں رواج پذیر ہو گئی ہے اور وہ ہے دلہنوں کی منہ دکھائی۔ اس میں رشتہ دار، محرم و نامحرم اور مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ کیا ایک عورت کا سنگھار اس لئے ہوتا ہے کہ محرم و غیر محرم رشتہ داروں میں اس کی نمائش ہو؟ بڑی ہی بے ہودہ رسم ہے! ہمارے یہاں کے دیور، جیٹھ، دولہا کے رشتہ دار اور دیگر اعزہ و اقارب سب ہی دلہن کا چہرہ دیکھتے ہیں اور پھر اسے تحفے تحائف دیتے ہیں۔ کیسی عجیب رسم رواج پا گئی ہے! خود کو ایمان دار کہنے اور اللہ کا اطاعت گزار سمجھنے والوں کو یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ انہیں ان سب باتوں سے قطعاً پرہیز کرنا چاہئے۔ مالک اپنے بندوں سے ان کے ماں باپ سے بھی کئی گنا زیادہ محبت کرتا ہے۔ اس لئے بندوں کو بھی اس چاہت و محبت کا جواب تسلیم و رضا اور اطاعت و فرمانبرداری کی صورت میں دینا چاہئے اور سنت رسول ﷺ کے خلاف ایسی تمام مذموم رسومات و بدعات سے اپنا دامن پاک کر لینا چاہئے۔ اب کوئی نبی نہیں آئے گا، اس لئے مالک نے امت مسلمہ پر ہی یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ اسوۂ رسول ﷺ کا پیکر بن کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔ یاد رکھئے جس نے بھی ایمان کی راہ پر چلنا شروع کیا اس پر آزمائش آئی ہے کیونکہ مالک آزمائش کی بھٹی سے گذار کر ہی ایماندار کو کندن بناتا ہے، پھر ایسے ثابت قدم لوگوں کو انعام میں جنت کی بے بہا اور لازوال نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ امت مسلمہ ہونے کی وجہ سے ہمارا فرض ہے کہ ہم نیکی کو پھیلائیں اور برائی کو مٹائیں۔ ہمیں آج ہی یہ کام کرنا ہے کیونکہ حدیث نبویؐ ہے:

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللهِ (ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ)

"عقلمند اور ذہین وہ ہے جو اپنا محاسبہ کرے اور مرنے کے بعد کی زندگی کے لئے عمل کرے، اور بیوقوف وہ ہے جو اپنی خواہش نفس کی اتباع کرے اور اللہ پر امیدیں باندھے۔"

ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم اپنا احتساب کریں۔ ذرا اپنے آپ پر، اپنے گھروں پر نظر ڈالیں کہ اللہ کی کتاب کی

تعلیمات اور نبی کریم ﷺ کی سنت کا فقدان تو نہیں؟ ہمیں ہر وقت یہ دیکھتے رہنا ہے کہ کہاں تک ایمان کے تقاضے پورے ہو رہے ہیں اور کہاں تک ایمان و تقویٰ کو پروان چڑھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہم لوگ خصوصاً خواتین جو کہ قرآن و حدیث کے دروس میں بھی شرکت کرتی ہیں، اس بات کو بھی ذہن میں رکھیں کہ خواتین جب رسول اللہ ﷺ کے پاس دعوت کے لئے آتیں تو سب سے پہلے لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے اقرار کے بعد ان سے اس بات پر بھی بیعت لی جاتی تھی کہ زنا نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، اچھی بات کی تائید کریں گی، جھوٹی بات کا یقین نہ کریں گی، یعنی ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گی (بخاری و مسلم)۔ یاد رکھئے! ایمان کا اقرار کرنے کے بعد ہم بھی اس بیعت (عہد) کے پابند ہیں اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ مالک کا تو فرمان ہے کہ

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

(التحریم ۶)

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔"

غور کرنے کا مقام ہے کہ ہمارا اپنے ماں باپ، اولاد، بہن بھائیوں، اعزا و اقرباء اور دوست احباب سے محبت کا کیا یہی تقاضا ہے کہ ہم انہیں دنیاوی لوازمات میں الجھائے رکھیں کہ وہ اللہ سے دور، جنت کی نعمتوں سے دور اور شیطان سے نزدیک اور جہنم کے عذاب سے قریب تر ہوتے چلے جائیں؟ العیاذ باللہ!

ذرا غور فرمائیے! کیا موجودہ سمعی و بصری آلات جو کہ ٹی وی اور ڈش کی صورت میں آج کل عام ہیں، کیا ان سے آنکھوں کا زنا نہیں ہو رہا؟ کیا عریانی و فحاشی کو عام کر کے اسلامی حدود و قیود کا جنازہ نہیں نکالا جا رہا؟ کیا ہمارے بچے رسول اللہ ﷺ، ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی حیدرؓ، خالدؓ بن ولید و دیگر صحابہ کرام، محمد بن قاسم و طارق بن زیاد، اور ہماری بچیاں آسیہ و مریم، خدیجۃ الکبریٰؓ، عائشہؓ، حفصہؓ، فاطمہؓ وغیرہ کو اپنا آئیڈیل ماننے کی بجائے ناچنے گانے والوں اور والیوں کو اپنا آئیڈیل نہیں بنا رہے ہیں اور ہم والدین یہ تعلیمات فراہم کر کے انہیں اس گمراہی میں آگے بڑھتے رہنے کی ترغیب نہیں دے رہے؟ اس کی توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ یہ موجودہ ترقی یافتہ دور کی "ضروریات" ہیں، اگر گھر میں یہ چیزیں نہ ہوں تو بچے باہر جا کر دیکھیں گے، اور پھر نہ جانے کیا کیا دیکھیں گے۔ لعنت ہے ان "ضروریات" پر جو ہمیں جہنم کی طرف لے جائیں۔ یہ ترقی نہیں بلکہ زوال ہے، پستی ہی پستی، ذلت ہی ذلت! ایسی ترقی کس کام کی جو ابھرتی ہوئی نسل کو مادہ پرست بد کردار اور وحشت گرد بنا کر رکھ دے! اف ہے اس انداز فکر پر۔ اللہ کا فرمان بھی ذہن میں رہے جس میں نبی ﷺ کی دعوت قرآن کے مقابلے میں مکہ کے ایک بڑے مشرک نضر بن حارث کے طرز عمل کو بیان کیا گیا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (لقمان ۶)

"اور لوگوں میں ایک وہ شخص بھی ہے جو بے ہودہ اور لغو باتیں خرید تا ہے تاکہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے بھٹکا دے۔"

اب ذرا اس پہلو پر بھی غور کر لیں کہ کیا ہمارا ایمان اس بات کا متقاضی ہے کہ جب ہم اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے لئے شریک حیات تلاش کرنے چلیں تو ہمارا معیار خوبصورتی ہو، دولت ہو، حسب و نسب ہو یا اس کے بجائے ہم ایمان کو معیار بنائیں اور دین کے لئے جدوجہد کرنے والیوں کو ترجیح دیں جن سے ہمارے گھروں میں تبدیلی آئے، پر سکون دینی ماحول ہو، ہمارے دلوں کو سکون نصیب ہو، اطمینان قلب ہو اور ہمارا ضمیر ہمارے مسلمان ہونے کی گواہی دے۔ غور کیجئے! اللہ تعالیٰ نے ہماری اصلاح کے لئے کیا کچھ نہیں کیا! سب سے بڑھ کر یہ کہ عقل و دانش اور حکمت سے لبریز کتاب قرآن کو نازل فرمایا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری رہتی دنیا تک خود ہی لے لی۔ اس قرآن کی ترتیب دیکھیں کتنی عمدہ اور کیسی حکیمانہ ہے۔ سب سے پہلے بندہ اپنے رب سے دعا کر رہا ہے:

"تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے جو نہایت مہربان رحم والوں کا رب ہے، جو رحمٰن ہے رحیم ہے، یوم آخرت کا مالک ہے، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، ہم کو سیدھا راستہ دکھا دے، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا، ان لوگوں کا راستہ نہیں جن پر تو غضبناک ہوا اور جو گمراہ ہیں۔" (سورۃ الفاتحہ)

اس دعا کی قبولیت کے نتیجے اور جواب کے طور پر حکمت و ہدایت سے بھرپور کتاب قرآن ہمارے سامنے ہے جس میں ہدایات و احکامات ہیں اور ساتھ ہی عبرت اور نصیحت کیلئے دوسری مغضوب و گمراہ قوموں کے حالات ہیں، ہماری رہنمائی کے لئے پیغمبروں کا دعوت دینے کا طریقہ کار ہے، ان کی اطاعت نہ کرنے پر ان کی قوم پر عذاب کا تفصیلی بیان ہے، نیکوکاروں کے انعام کی تفصیل ہے، قیامت کی ہولناکی اور کفار و مشرکین پر عذاب کا بیان ہے۔ اگر ہم نے قرآن میں بیان کردہ ان عبرت آموز واقعات سے سبق نہیں لیا اور انبیائے کرام کی بتائی ہوئی رہنمائی و ہدایت کو نہ اپنایا تو پھر ہمیں بھی ہولناک سزا بھگتنی ہوگی۔ اگر ہم محمد عربی ﷺ کی حیات طیبہ کو سامنے رکھیں تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے کس طرح سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ النَّاسِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهَذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا فَجَعَلَ يَنْزِعُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَقْتَحِمْنَ فِيهَا فَأَنَا آخُذُ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَأَنْتُمْ تَقْتَحِمُونَ فِيهَا

(بخاری، کتاب الرقاق، باب ۸۳۰)

"میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر روشنی کی پس جب آگ نے چاروں طرف روشنی پھیلا دی تو پروانے اور دوسرے جانور جو آگ میں گرتے ہیں آنے لگے اور آگ میں گرنے لگے۔ آگ روشن کرنے والے شخص نے ان کو روکنا شروع کیا لیکن وہ نہیں رکتے۔ اس کی کوشش پر غالب رہتے ہیں اور آگ میں گر پڑتے ہیں۔ میں بھی تم کو آگ میں گرنے سے روکتا ہوں اور تم آگ میں گرنے کی کوشش کرتے ہو۔"

اسی طرح ہماری مثال ہے کہ ہم نے مالک کے احسانات کو فراموش کر کے اللہ کے نبی ﷺ کی تعلیمات کو زبانی جمع خرچ تک محدود کر رکھا ہے۔ محض لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ کر بغیر کسی آزمائش اور بغیر کسی ملامت کے ایمان کے دعوے دار اور جنت کی نعمتوں کے حقدار بن بیٹھے ہیں۔ ہم نے اپنے ایمان کو متحرک رکھنے کے بجائے منجمد کر لیا ہے۔ افسوس کہ آج ہمارے پاس اس حکمت بھری اور انتہائی سبق آموز کتاب کو پڑھنے کا وقت ہی نہیں، اس پر غور و فکر کرنے کی فرصت ہی نہیں، اپنی اور اپنے اہل و عیال کی اسلامی خطوط پر تربیت کرنے کے لئے فراغت ہی نہیں! اگر وقت ہے تو صرف اخبارات، ڈائجسٹ اور فضول رسائل پڑھنے کا، فرصت اگر ہے تو گھنٹوں ٹی وی، وی سی آر کے سامنے بیٹھ کر فضول پروگرام، کرکٹ، بے ہودہ ڈرامے، فحش فلموں اور دیگر لغویات دیکھنے کی، فراغت اگر ہے تو اپنے بچوں کو سیر و تفریح کرانے کی اور مغرب کی غلیظ تہذیب و تمدن کے خطوط پر پرورش کرنے کی۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ!

(باقی صفحہ ۳۸ کالم ۲ پر)

حرم نسیم الدین

خبّاب بن الاَرت رضی اللہ عنہ

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوْ ا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَابَدَّلُوْا تَبْدِيْلاً (الاحزاب ۲۳)

"ایمان لانے والوں میں ایسے مرد بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا۔ ان میں سے کوئی تو اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ انھوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے۔"

قرآن کی یہ آیت اُن سچے مومنین کے ایمان کی گواہی دے رہی ہے جنھیں دنیا اصحابِ رسول ﷺ کے نام سے جانتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی تربیت خود معلم القرآن نبی ﷺ نے فرمائی، قرآن کی آیات سنائیں اور ان کا تزکیہ کیا۔ انھی اصحابِ رسول ﷺ میں ایک صحابی خباب بن الارت رضی اللہ عنہ ہیں، جو بالکل ہی ابتدائی دور کے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ سادس الاسلام یعنی شروع کے ایمان لانے والے چھ افراد میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

خباب رضی اللہ عنہ قبیلہ خزاعہ کی ایک عورت ام انمار کے غلام تھے، اور وہ ان سے لوہار کا کام کرواتی تھی۔ آپؓ نے جب قُولُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی پکار سنی تو بلا خوف و خطر جا کر اٰمَنَّا وَ صَدَّقْنَا کہدیا۔ اس پر ام انمار اور اس کے بھائی شیبہ بن عبد العزیٰ نے آپؓ پر سخت مظالم ڈھائے، لیکن آپؓ ایمان پر جمے رہے۔ ایمان خالص کے لئے انھوں نے جو ظلم و ستم و تکالیف برداشت کیں وہ مثالی ہیں۔ اسلام کے لئے ستائے جانے والوں میں آپ کا نام ضرب المثل ہے۔ آپ نے اسلام کی خاطر جسمانی و مالی دونوں قربانیاں دیں۔ مکہ میں اُن کو کس قسم کے دنیا پرست اور شقی القلب مشرکین سے سابقہ پیش آیا، خود انھی کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں:

میں مکہ میں زمانہ جاہلیت میں لوہار کا کام کرتا تھا اور عاص بن وائل سہمی پر میرا کچھ قرضہ تھا، میں (ایمان لانے کے بعد) اس کے پاس تقاضہ کرنے گیا تو وہ کہنے لگا کہ جب تک محمد کا کفر نہیں کرتے میں تمہیں قرضہ نہ دوں گا۔ میں نے اس سے کہا، "یہ میں کبھی نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اللہ تجھے موت دیکر دوبارہ زندہ کرے۔" اس پر وہ بولا، "کیا میں مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا؟ تو پھر مجھے چھوڑ دو یہاں تک کہ میں مر جاؤں پھر اٹھایا جاؤں، پھر مال و اولاد ملے گی اور میں تمہارا قرض ادا کر دوں گا۔" اس پر یہ آیات نازل ہوئیں: اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿﴾ (مریم ۷۷، ۷۸) "بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو ہماری آیات کا کفر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے مال و اولاد ضرور ہی ملیں گے! کیا اسے غیب کا علم حاصل ہو گیا ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لے لیا ہے۔" (بخاری، کتاب البیوع، باب ذکر القین والحداد)

ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے ان پر ڈھائے جانے والے مظالم کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ آپ میری پیٹھ دیکھ لیں۔ پیٹھ دیکھی گئی تو اس میں گڑھے پڑے ہوئے تھے۔ بتایا کہ زمین پر انگارے دہکا کر مجھے اس پر لٹایا جاتا اور امیہ بن خلف میرے سینے پر بیٹھ جاتا، یہاں تک کہ میرے خون اور چربی سے وہ انگارے بجھتے۔ ان سب مظالم کے باوجود صبر کا دامن نہ چھوٹا۔ اسی شدتِ جور و ستم کے ایام میں آپؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورتِ حال بیان کی۔ بخاری کی روایت میں ہے:

خباب بن الارت نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اپنا حال زار بیان کیا اور نبی علیہ السلام اس وقت بیت اللہ کے سائے میں اپنی چادر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ہمارے لئے اللہ سے مدد کی دعا نہ کریں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے (انبیاء اور ان پر ایمان لانے والوں کا) حال یہ تھا کہ ان میں سے کسی کو پکڑ لیا جاتا تھا اور گڑھا کھود کر اس میں ڈال دیا جاتا تھا، پھر آرا لایا جاتا اور ان کے سر پر رکھ کر دو ٹکڑے کر دئے جاتے تھے، اور لوہے کے کنگھے ان کے گوشت اور ہڈیوں پر پھیرے جاتے تھے لیکن یہ آزمائش بھی انھیں اپنے دین سے نہیں روک سکی۔ اللہ گواہ ہے کہ اسلام کا کام مکمل ہو گا اور ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک جائے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا، اور بکریوں پر سوائے بھیڑیے کے خوف کے کوئی ڈر نہ ہو گا، لیکن تم لوگ جلد بازی کرتے ہو۔ (بخاری، کتاب الاکراہ، باب من اختار الضرب والقتل والھوان علی الکفر)

خباب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ساتھ غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ انھیں قرآن فہمی و تلاوت کا بہت شوق تھا جس کا ذکر بخاری نے کتاب المغازی میں اس طرح کیا ہے:

علقمہ نے بیان کیا کہ ہم ابن مسعودؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں خبابؓ تشریف لائے اور کہا: ابو عبدالرحمان! کیا یہ نوجوان اسی طرح قرآن پڑھ سکتے ہیں جیسے آپ پڑھتے ہیں؟ ابن مسعودؓ نے فرمایا: اگر آپ چاہیں تو میں ان میں سے کسی کو تلاوت کے لئے کہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ ضرور۔ اس پر ابن مسعودؓ نے فرمایا: علقمہ تم پڑھو۔ زیاد بن حدیر کے بھائی زید بن حدیر بولے، آپ علقمہ سے تلاوت قرآن کے لئے کہتے ہیں، حالانکہ وہ ہم میں سب سے اچھے قاری نہیں۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہیں وہ حدیث سناؤں جو رسول اللہ ﷺ نے تمہاری قوم اور اس کی قوم کے بارے میں فرمائی تھی۔ آخر میں نے سورۃ مریم کی پچاس آیات پڑھ کر سنائیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا رائے ہے؟ خبابؓ نے کہا: بہت خوب پڑھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: جو آیت میں جس طرح پڑھتا ہوں وہ بھی اسی طرح پڑھتا ہے۔ پھر وہ خبابؓ کی طرف متوجہ ہوئے، ان کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی۔ فرمایا: کیا ابھی اس کے اتارنے کا وقت نہیں آیا؟ خبابؓ نے فرمایا: آج کے بعد آپ یہ انگوٹھی میرے ہاتھ میں نہیں دیکھیں گے۔ چنانچہ آپ نے وہ انگوٹھی اتار دی۔ (بخاری، کتاب المغازی باب قدوم الاشعریین و اھل الیمن)

خباب رضی اللہ عنہ فقیہ بھی تھے، چنانچہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر و عصر (کی صلوٰۃ) میں قرآن پڑھتے تھے، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ پوچھا گیا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہوتا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ داڑھی کی حرکت سے (بخاری، کتاب الاذان، باب من خافت القراۃ فی الظہر والعصر)۔ یعنی امام تلاوت سری کرے تو منہ کو بھی حرکت دے، تاکہ دل ہی دل میں تلاوت کرے اور منہ کو حرکت ہی نہ دے۔

خبابؓ اپنا کام خود ہی کرتے تھے اور باوجود علالت کے، آخری عمر تک یہ معمول جاری رہا۔ صحیح بخاری کتاب المرضیٰ میں حدیث کے الفاظ ہیں:

(قیس ان کی علالت میں ان کی خدمت میں) دوبارہ حاضر ہوئے تو آپ دیوار بنا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: مسلمان کو ہر اس چیز کا ثواب ملتا ہے جسے وہ خرچ کرتا ہے سوائے اس مال کے جو وہ مٹی میں محفوظ کر کے رکھتا ہے۔

اللہ نے خباب رضی اللہ عنہ کو مال و دولت بھی عطا کیا تھا لیکن اس کی طرف نظر بھر کے بھی نہ دیکھتے تھے۔ ترمذی کی روایت کے مطابق انہوں نے کہا:

"میں نے اپنے آپ کو اصحاب رسول کی معیت میں دیکھا ہے بلکہ میرے پاس ایک درہم بھی نہ تھا لیکن اب میرے گھر کے کونے میں چالیس ہزار درہم پڑے ہیں۔" (ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الخوف من الموت)

کسی بیماری کی وجہ سے ان کے پیٹ میں سات داغ لگائے گئے تھے۔ عیادت کرنے والے جب ان سے ملے تو آپ نے فرمایا:

"ہم نے نبیؐ کے ساتھ اللہ کی رضاجوئی کے لئے ہجرت کی، چنانچہ ہمارا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ ہاں ہم میں سے کوئی تو گذر گیا اور اپنا اجر نہیں لیا۔ ہمارے ساتھی جو وفات پا چکے وہ یہاں سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ دنیا نے ان کے عمل میں کوئی کمی نہ کی اور ہم نے اکٹھا کیا کہ جس کے خرچ کرنے کے لئے ہمارے پاس سوائے مٹی کے اور کچھ نہیں..... اگر نبی ﷺ نے ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں اس کی دعا کرتا۔" (بخاری، کتاب المرضیٰ، کتاب الدعوات)

خباب رضی اللہ عنہ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ والی آیات میں بیان کردہ اوصاف کا پیکر تھے۔ مکہ کے ایک غلام اور لوہار تھے، لیکن ایمان پر استقامت کی وجہ سے اصحاب رسول ﷺ میں انہیں نمایاں مقام حاصل ہوا۔ یہ لوگ صحیح معنوں میں اللہ کے ولی تھے اور سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۱

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

"اللہ نے مومنوں سے جنت کے عوض ان کی جان و مال کا سودا کر لیا ہے۔"

کے مصداق تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے! آمین

☆☆☆☆

بقیہ ایمان کے تقاضے

ایمان بالآخرت کا تقاضا ہے کہ ہم اس دن سے ڈریں جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ جب آسمان، زمین، پہاڑ، سمندر، غرض کہ کائنات کا سارا نظام تلپٹ ہو جائے گا۔ آج جن رشتوں کی خاطر، جس نفس کی خاطر ایمان کی راہ پر چلنے سے گریز کرتے ہیں، جن کے "سہانے مستقبل" کی خاطر ان کو ہم و نمود سے پاک، ریاکاری و نمائش سے خالی، سنت نبوی سے آراستہ طرز تمدن، دینی ماحول و ایمانی فضا سے عہدہ برآ ہوتے ہیں، اس دن انسان ان رشتوں کو اپنے گلے سے اتار پھینکے گا، کہے گا کہ مالک ان سب کو آگ میں ڈال دے، ہمیں آج کے دن عذاب سے بچالے۔ (سورۃ المعارج)

اسی لئے اگر آج ہم ایمان کے تقاضوں کو سمجھ لیں تو ابھی بھی وقت ہے کہ ہماری اصلاح ہو جائے۔ اطاعت رسول ﷺ کو اپنا شعار بنالیں تو اسی میں ہماری کامیابی ہے۔ ایمان کی قدر کرنے والوں کے دل کی تو پکار ہی یہ ہوتی ہے کہ:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا (آل عمران ۱۹۳)

"اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ ایمان کے لئے پکار رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ، تو ہم ایمان لے آئے۔"

عباد الرحمٰن کی توصیف ہی یہ بتائی گئی ہے کہ

اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا (الفرقان ۷۳)

"جب انہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جائے تو وہ بہرے اور اندھے ہونے کا ثبوت نہیں دیتے"

بلکہ نصیحت کو قبول کرتے ہیں۔ مالک ہم سب کو ایمان کے تقاضے جیسا کہ ان کا حق ہے پورے کرنے کی توفیق عطا فرمادے، ہمارے ذہنوں کی گرہ کھول دے، ہمیں اپنا سچا مسلم بنادے، مالک ہمارے گناہ معاف فرمادے اور ہمیں اپنے صالح بندوں میں شامل فرمالے! آمین

بقیہ سلیمان علیہ السلام

شریک کرتے تھے اور ان کو نافع و ضار بھی سمجھتے تھے۔ واضح کر دیا کہ نہ جن عالم الغیب ہیں اور نہ نافع و ضار بلکہ وہ تو ایسے بے بس و لاچار ہیں کہ لاعلمی کی حالت میں سلیمان علیہ السلام کی موت کے بعد بھی وہ کام سرانجام دیتے رہے جس پر سلیمان علیہ السلام نے انہیں مامور کیا تھا۔ اور اسی سبق آموز واقعہ کا اختتام اس طرح کیا کہ ہوش و گوش رکھنے والو! ذرا غور تو کرو، ایسا لولو لعلوم پیغمبر جسے اللہ تعالیٰ نے بے مثال جاہ و حشم اور شان و شوکت سے بھرپور امتیازات سے نوازا تھا وہ بھی موت کے چنگل سے نہ بچ سکا۔ دیدۂ عبرت کے لئے یہ منظر کیسا دلگداز ہے کہ اس تمام شان و شوکت کے باوجود، عاجزی و انکساری کا یہ عالم ہے کہ اللہ کے گھر کی تعمیر کی نگرانی بنفس نفیس عصاء کے سہارے کھڑے ہو کر سرانجام دے رہے ہیں، اور اسی حالت میں روح قبض کر لی جاتی ہے۔ اور جب عصاء کو دیمک کھاتی ہے اور وہ ٹوٹ کر گرتا ہے تو اس وقت سلیمان علیہ السلام کا بے جان جسم زمین پر گر جاتا ہے، اتنی مہلت بھی نہ مل سکی کہ شاندار محل میں مسند پر بیٹھ کر داعی اجل کو لبیک کہتے!

اللہ تعالیٰ اپنے ان برگزیدہ بندوں کی زندگیوں کے نقوش سے رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

❀❀❀❀❀❀

فرمان رسول ﷺ

معاذ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے۔ میں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ علم ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ بیشک اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو شخص اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے تو وہ اسے عذاب نہ دے..... (متفق علیہ، بحوالہ کتاب ایمان)

رپورٹ سیشن

قافلہ ہے رواں رواں

ترتیب: کیپٹن ارشد، شکیل الرحمن و ارشد ظفر

بِحَمْدِاللّٰہِ

کل پاکستان تربیتی اجتماع
برائے ناظمین

اس دفعہ (۲۷ تا ۲۸ اپریل ۱۹۹۸ء) یہ اجتماع مسجد توحید، توحید نگر، کبیر والہ، ضلع خانیوال میں منعقد ہوا، جس میں چاروں صوبوں اور آزاد کشمیر سے ناظمین و نائب ناظمین کے علاوہ قرب و جوار کے علاقوں سے تعلق رکھنے والے ساتھیوں نے بھی شرکت کی۔

۲۷ اپریل کو صلوٰۃ الفجر کے بعد پنجاب کے امیر حکیم محمد رمضان صاحب نے سورۃ یونس کی آیت نمبر ۳۱ کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ حکیم صاحب نے مذکورہ آیت کی مواقفت میں کتاب و سنت اور عرب کے زمانہ جاہلیت کی تاریخ کے مختلف حوالہ جات کی روشنی میں مشرکین عرب کے عقائد کا تفصیلی جائزہ لیا اور آج کی "ملت مسلمہ" کے معروف عقائد سے ان کا موازنہ کرتے ہوئے واضح کیا کہ ان کے مقابلے میں آج ایمان و اسلام کے دعویداروں کی اکثریت کے عقائد زیادہ خراب اور ابتر حالت میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ امت اندرونی طور پر بدامنی، انتشار اور تنزل کا شکار ہے اور اجتماعی طور پر ذلت و رسوائی پستی و مغلوبیت سے دوچار ہے۔ چنانچہ جس طرح اللہ کے آخری رسول ﷺ نے تباہی و بربادی کے کنارے پر کھڑے اس معاشرے میں دعوت الٰہی اور اللہ کی تائید و نصرت سے عقائد کی اصلاح کے ذریعے مطلوبہ تبدیلی پیدا فرمائی، آج سچے ایمانداروں کے اخلاص کا تقاضا ہے کہ وہ انھیں اور کتاب و سنت کی تعلیمات اور انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ سنت پر مبنی اس دعوت کے ساتھ پختہ وابستگی قائم کر کے اصلاح احوال کے لئے سرگرم عمل ہوں اور اس طرح اپنے آپ کو آخرت کی کامیابی اور جنت کی لازوال نعمتوں کا مستحق بنانے کی کوشش کریں۔

اجتماع کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد خان صاحب کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ انہوں نے سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۴ تا ۱۱۰ کی روشنی میں اہل ایمان کی دعوتی ذمہ داریوں کو واضح کرتے ہوئے بیان کیا کہ اس سلسلے میں اپنے اپنے دائرے میں فرد اور جماعت یکساں طور پر ذمہ دار ہیں۔ دنیا و آخرت کی فلاح ایسے ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو خالق کائنات کی طرف سے دعوت الی الخیر یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اس تاکیدی حکم کی جانکاری میں حسب توفیق اپنا حصہ ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے سامعین کو اس حوالے سے ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے بتایا کہ ہمیں اس کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد شدہ ایک فریضہ سمجھ کر کرنا ہے اور یہ اسی صورت ممکن ہے جب ہم میں سے ہر ایک اس دعوت سے عملی اور مخلصانہ وابستگی قائم کرنے کے لئے دل و جان سے آمادہ ہو۔ انہوں نے اس سلسلے میں تعلیم و تربیت کے حصول اور سیرت و کردار کی تعمیر کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ذمہ دار ساتھیوں پر خصوصیت سے زور دیا کہ وہ ایسے پروگراموں میں اپنی شرکت کو لازمی اور بامعنی بنانے اور ان سے کماحقہ استفادہ کرنے کی بھرپور کوشش کریں اور پھر اس کام کو اپنے اپنے مقام پر جاری رکھیں۔ انہوں نے الفاظ کی معمولی تبدیلی کے ساتھ قرآن میں چار مختلف مقامات پر وارد ہونے والی آیات بینات کے حوالے سے سامعین کو بتایا کہ جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے آیات قرآنی اور تعلیم کتاب و حکمت کے ذریعے صحابہ کرامؓ کی تربیت و تزکیے کا اہتمام فرمایا اور ان کی سیرت و کردار کی تعمیر کے ذریعے ان کو امت کی بہترین جماعت بنایا، اسی طرح ہمیں بھی اللہ کے دین کی دعوت کو مؤثر انداز میں پیش کرنے کے لئے کتاب و سنت کی رہنمائی میں اپنی تعلیم و تربیت کے لئے کوشش کرنی چاہیے۔

اس کے بعد راولپنڈی کے ساتھی خلیل الرحمن صاحب نے حاضرین کے سامنے تجوید کے چیدہ اصول بیان کئے اور پھر ان کی روشنی میں قرآنی آیات کی قرأت کی مشق کرائی۔

تجوید کے بعد فہم القرآن کا پروگرام ہوا جس کے تحت سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۶۵ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کے حوالے سے آدھ گھنٹہ دورانیے کی چار تقاریر ہوئیں۔ فہم القرآن کے سلسلے میں ہونے والی ان تقاریر میں لاہور سے کیپٹن (ر) ارشد، فیصل آباد سے رفعت، خیبر پختونخوا صوبہ سرحد سے عزت بلند اور کراچی سے صابر علی نے حصہ لیا۔ اگرچہ ایک متعین موضوع پر اظہار خیال کے اعتبار سے چاروں مقررین کی کارکردگی مناسب تھی تاہم جج صاحبان کے فیصلے کے مطابق مطلوبہ معیار کے لحاظ سے نوجوان رفعت اوّل، صابر علی دوم اور کیپٹن (ر) ارشد سوم رہے۔

فہم القرآن کے پروگرام کے بعد باہمی تعارف کی نشست ہوئی، جس میں حاضرین نے مختصراً اپنا اپنا تعارف پیش کیا۔ تعارفی نشست کے بعد صلوٰۃ الظہر اور طعام کے لئے وقفہ ہوا۔ وقفے کے بعد عربی قواعد پر مشتمل تعلیمی پروگرام ہوا، جس میں مدرس کے فرائض کراچی کے ساتھی منور سلطان صاحب نے انجام دئے۔

عربی تعلیم کے بعد کتابچہ واتقوااللہ نمبر ۲ پر مشتمل زبانی امتحان ہوا۔ اس سلسلے میں حاضرین کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ان سے باری باری سوالات پوچھے گئے۔ اس طرح یہ امتحان ایک متعین موضوع پر معلوماتی پروگرام کی صورت اختیار کر گیا جو خاصا دلچسپ رہا۔ صلوٰۃ العصر کے بعد باہمی مشاورت کی نشست ہوئی جس میں شرکاء نے اس اجتماع کے مختلف پروگراموں کے بارے میں اپنی آراء پیش کیں اور تعلیم و تربیت کے لحاظ سے اجتماع کو مزید بہتر بنانے کے لئے تجاویز بھی دیں۔

صلوٰۃ المغرب کے بعد سوال و جواب کا پروگرام ہوا جو عشاء تک جاری رہا۔ اس پروگرام کے دوران امیر تنظیم نے حاضرین کی طرف سے مختلف معاملات و مسائل پر کئے گئے سوالوں کے قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دیئے۔ صلوٰۃ العشاء اور کھانے کے بعد مرکزی شوریٰ کی میٹنگ ہوئی۔

۲۸ اپریل بروز منگل صلوٰۃ الفجر کے بعد سرگودھا کے ناظم ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے سورۃ الانبیاء کی آیات ۵۱ تا ۵۶ پر مشتمل درس قرآن دیا۔ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ کے حوالے سے بیان کیا کہ اسلام جیسی اللہ کی نعمت عظمیٰ کی قدر دانی ہونی چاہیئے تھی لیکن حال یہ ہے کہ ہم جس قدر خیر القرون سے دور ہوتے جا رہے ہیں، اسی قدر "لسعہ مسلہ" کا چہرہ کفر و شرک سے آلودہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور موجودہ صورت احوال نبی علیہ السلام کی حدیث میں بیان کردہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے حواریوں کے ان جانشینوں سے مختلف نہیں جن کا عمل ان کے قول سے مختلف تھا اور جو وہ کام کرتے تھے جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اور ایسی صورت میں نبی علیہ السلام نے صرف ان لوگوں کے ایمان کی گواہی دی ہے جو اس صورت احوال کی اصلاح کے لئے اپنے ہاتھ، زبان اور دل (یعنی اپنے روپئے) سے جہاد کریں۔ چنانچہ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ایمان و عمل کے لحاظ سے یکسو ہو کر اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جدوجہد کی جائے۔ اسی مقصد کے لئے زیادہ سے زیادہ تیاری اور کوشش ہونی چاہیئے۔ یہی خیر امت کا فرض منصبی ہے اور اللہ تعالیٰ نے وعدۂ استخلاف بھی ایسے ہی لوگوں سے فرمایا ہے جو شرک سے پاک ایمان کے حامل اور اسکے تقاضے پورے کرنے والے ہوں۔

اشراق اور ناشتے کے وقفے کے بعد تجوید و قرأت القرآن کا پروگرام ہوا جس میں مدرس کے فرائض خلیل الرحمن صاحب نے انجام دیئے۔ تجوید کے بعد کراچی کے ساتھی یعقوب علی صاحب نے اصول حدیث کے سلسلے میں بنیادی باتیں بیان کیں اور گزشتہ اسباق کا اعادہ کیا۔

اس کے بعد صوبہ سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب نے سورۃ المومن کی آیت نمبر ۴۶ (اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا) کے حوالے سے عذاب قبر کے موضوع پر تقریر کی۔ انہوں نے قرآن و حدیث کے متعدد حوالہ جات کی روشنی میں اس بات کو واضح کیا کہ عذاب قبر کا تعلق مرنے کے بعد اس زمینی گڑھے میں مردہ جسم کے ساتھ نہیں بلکہ عالم برزخ میں روح کے ساتھ ہوتا ہے جب کہ اس زمینی قبر میں دفن ہونے والے مردہ جسم پر عذاب قبر ماننے سے حیات فی القبر کا اثبات ہوتا ہے جس سے قرآن کی متعدد محکم آیات کا کفر لازم آتا ہے۔ عمر خطاب صاحب کی تقریر کے بعد عربی تعلیم کا پروگرام ہوا جس میں مدرس کے فرائض سرگودھا کے ناظم ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے انجام دیئے۔

۲۸ اپریل کو صلوٰۃ الظہر سے قبل امیر تنظیم کے اختتامی کلمات پر یہ دو روزہ تربیتی اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ امیر تنظیم نے سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی ابتدائی آیات سے اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے سب سے پہلے کیبر والہ کے اس پرانے مرکز کی نئی عمارت کے حوالے سے یہاں (خانیوال) کے ناظم ملک منظور الحق مرحوم کی مخلصانہ اور شبانہ روز کوششوں کا تذکرہ کیا جن کے نتیجے میں اس مرکز کی تعمیر کا بنیادی حصہ مکمل ہوا، جس کی تکمیل کے ساتھ ہی ایک رات کو انہیں انتہائی بیدردی سے قتل (شہید) کر دیا گیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مرحوم بھائی کی مخلصانہ سعی و جہد کی قبولیت، مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لئے دعا فرمائی۔ اور پھر تلاوت کردہ آیات کی وضاحت کے سلسلے میں بیان کیا کہ جو لوگ اپنی آخرت کے بارے میں فکر مند ہوتے ہیں وہی اپنے مقصد حیات کے حصول کے لئے متحرک اور سرگرم ہو جاتے ہیں، اپنے مالک کے یہاں پیشی کے احساس سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور اسی سے گڑگڑا کر انجام خیر کے لئے التجائیں کرتے ہیں۔ انہوں نے شرکاء اجتماع کو قرآن سے تعلق جوڑ کر اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی تلقین کی اور کہا کہ اللہ کی کتاب سب کے لئے کھلی ہے۔ اسی رکوع کے آخر میں اہل ایمان کی اجتماعیت کیلئے رہنما اصول بیان کیا گیا ہے (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا ۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ) کہ تمہارے مشن کی اس راہ میں تمہارا اسلحہ، صبر و مصابرت، ربط و مرابطہ اور تقویٰ ہے۔ دو دن کی حاضری پر اکتفا کامیابی کی ضمانت نہیں۔ چند گھونٹ مشروب سے توانائی نہیں آئے گی۔ اس کیلئے مسلسل آبیاری کی ضرورت ہے۔ کتاب و سنت سے تعلق، تقویٰ شعاری اور اس راہ میں جہاد کے لئے پوری طرح کمر ہمت کس کر تیاری کرنا وقت کی ضرورت ہے۔ یہ اجتماعات تو محض رہنمائی اور سال بھر کی تیاری کا جائزہ لینے کا ذریعہ ہیں۔ ہمیں اس عظیم مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے بھرپور احساس ذمہ داری سے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے اور آنے والوں کے لئے نشان راہ چھوڑنا ہے۔ مالک کے یہاں اس کی قدردانی ہے۔ اس میں کوتاہی پر اس کی پکڑ بھی سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں کو دور کرے اور توفیق احسن سے نوازے۔ آمین

کل پاکستان طلباء
سالانہ تربیتی پروگرام

طلباء کا سالانہ تربیتی پروگرام اس دفعہ پھر سرگودھا میں منعقد ہوا۔ ۲۳ اکتوبر ۱۹۹۸ء کی شام کو ہی تقریباً تمام ساتھی اجتماع گاہ میں پہنچ گئے تھے۔ صلوٰۃ الفجر کے بعد لاہور کے ساتھی معراج الدین صاحب نے سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی ابتدائی آیات پر درس قرآن دیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے ایمان خالص کو سمجھ کر اختیار کر لیا ہے، اب عمل صالح کی طرف ہمیں بھرپور توجہ دینی ہوگی۔ قرآن میں جگہ جگہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر ہے۔ اگر عمل صالح سے ہم ایمان کا ثبوت نہ دے پائے تو یہ ہماری اللہ کے یہاں گرفت کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ آج پوری دنیا میں کوئی ایسی جماعت نہیں ہے جن کے عقائد میں خرابی نہ ہو۔ ان حالات میں ایمان خالص اختیار کرنا بہت بڑی سعادت مندی ہے۔ لیکن ایمان اختیار کر لینے کے بعد عمل میں کوتاہی بھی بہت بڑی محرومی ہے۔ اس لئے آپ ساتھیوں کو اس طرف بھرپور توجہ دینی ہوگی۔ معراج الدین صاحب کے درس کے بعد وقفہ ناشتہ و اشراق تھا۔

اس کے بعد راولپنڈی کے جواں ہمت ساتھی قاری خلیل الرحمن کے بیان سے تربیتی پروگرام کا باقاعدہ آغاز ہوا تھا۔ یاد رہے کہ خلیل الرحمن صاحب ہمارے وہ ساتھی ہیں جو ہماری تنظیم میں آنے سے پہلے ایک مدرسہ کے مہتمم تھے اور وہ مدرسہ ہی ان کی آمدنی کا ذریعہ تھا۔ جب یہ دعوت حق ان تک پہنچی تو انہوں نے کھلے دل سے اسے قبول کیا۔ دین پر اجرت کے معاملے میں جب

انہوں نے دیکھا کہ قرآن اور حدیث دین پر اجرت کو حرام قرار دیتے ہیں تو انہوں نے اس سے بھی توبہ کرلی اور اللہ پر بھروسہ کرکے اپنا کاروبار شروع کردیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے کاروبار میں برکت عطا فرمائے۔ آمین! انہوں نے اپنے بیان کا آغاز سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۹۰ سے کرتے ہوئے بتایا کہ صحابہ کرام ایمان کی آواز: "اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ" کی پکار پر اکٹھے ہوئے تھے اور پھر اسی ایمان کو پھیلانا انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔ قرآن کے ذریعے انہوں نے کفر و شرک کے خلاف جدوجہد کی۔ آج امت مسلمہ کی تباہی اور بربادی کی اصل وجہ ایمان کی خرابی ہے۔ کوئی مسلک آج ایسا نہیں ہے جس کے عقائد کتاب اللہ کے خلاف نہ ہوں۔ اس لئے جب ہم قرآن پیش کرتے ہیں تو ان کے پاس جواب نہیں ہوتا، اور خاموش ہوجاتے ہیں۔ لیکن آباء و اجداد کی اندھی تقلید کی وجہ سے بات ماننے اور ساتھ دینے پر تیار نہیں ہوتے بلکہ دشمنی پر اتر آتے ہیں۔ اب ایسی حالت میں اللہ پر توکل کرنا ہے۔ کام نہیں چھوڑنا ہے۔ اگر مسجد کے لئے جگہ نہیں ملتی تو اپنے گھروں کو مراکز بنائیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کردیں، طاغوت کا کفر کریں اور شرک کرنے والوں سے کوئی تعلق نہ رکھیں، اور نہ دوست بنائیں اگرچہ قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ دین کا کام جاری رکھیں حتیٰ کہ ہجرت کرنی پڑجائے یا نکال دیے جائیں۔ اگر یہ کام اس انداز سے نہ کیا تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے ساتھ سکے جانے والے جنت کے بدلے جان و مال کے سودے میں ہم سچے نہیں ہیں۔

اس کے بعد کراچی کے ساتھی سلمان عبداللہ اور منور سلطان صاحب نے معلوماتی مقابلہ کرایا۔ اس دفعہ ساتھیوں کی سہولت کے لئے نصاب (Syllabus) دے دیا گیا تھا۔ ایمان خالص قسط اوّل میں سے سوال کئے جانے تھے۔ چونکہ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحبؒ نے صوفیاء کے مشرکانہ عقائد کو قرآن و حدیث کی روشنی میں رد کیا ہے اس لئے یہ پروگرام ساتھیوں کی معلومات میں اضافے کا باعث بنا اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا میں جو آج اللہ کے بندوں کو داتا، دستگیر، مشکل کشا اور غوث وغیرہ سمجھ کر مدد کے لئے پکارا جارہا ہے، چڑھاوے اور دھول جائے جارہے ہیں، عرس اور میلے کئے جارہے ہیں، ان میں ان لوگوں کا بیسٹ بتایا تھا ہے۔

اس کے بعد فہم القرآن کا پروگرام تھا۔ اس دفعہ فہم القرآن کے پروگرام میں ایک موضوع کی بجائے تمام صوبوں کو مختلف موضوع دیے گئے تھے تاکہ ساتھیوں کو زیادہ سے زیادہ قرآن کا فہم حاصل ہوسکے کیونکہ آج امت مسلمہ کے شرک کی اصل وجہ ہی قرآن و حدیث سے دوری ہے۔

پہلا موضوع سورۃ آل عمران کی آیت ۱۶۹: بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ کے حوالے سے شہداء کی زندگی کے بارے میں تھا۔ مقررین نے ثابت کیا کہ قرآن و حدیث کی نص قطعی سے شہداء کی زندگی برزخی ہے۔ تمام شہداء اور انبیاء جنت میں زندہ ہیں نہ کہ ان قبروں میں۔ شہداء دنیا میں آکر قتال کرنے کی خواہش کے باوجود اس دنیا میں واپس نہیں آسکتے۔ اسی طرح جو لوگ نبی ﷺ کو جنت الفردوس میں ایک مقام "الوسیلہ" کے بجائے مدینہ والی قبر میں زندہ سمجھتے ہیں سراسر غلطی پر ہیں۔ یہ لوگ نبی ﷺ کو اللہ کی صفت "الحی" ہونے میں شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ آج کوئی ایسی جماعت نہیں جو اس شرک سے خالی ہو۔

دوسرا موضوع سورۃ النمل کی آیت ۸۰: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کے تحت مُردوں کے سننے کے بارے میں تھا جو آج امت میں اختلافی مسئلہ بنا ہوا ہے۔ مقررین نے ثابت کیا کہ یہ قرآن و حدیث کا محکم مسئلہ ہے کہ مردے نہیں سنتے اور جو لوگ مردوں کے سننے کا عقیدہ رکھتے ہیں قرآن و حدیث کے کھلے انکاری ہیں اور مردوں کے سننے کا عقیدہ ہی تو شرک کی جڑ ہے۔ آج اگر کسی کو پتہ چل جائے کہ ہم جن کو مدد کے لئے پکار رہے ہیں یہ ہماری پکاروں سے غافل ہیں تو کون کسی کو پکارے گا اور کون کسی کی نذر و نیاز کرے گا۔ بدقسمتی سے مردوں کے سننے کا عقیدہ تمام مسالک کی رگوں کا خون بن چکا ہے۔ اور جو انفرادی طور پر اس عقیدہ کا رد کرتے بھی ہیں وہ بھی انہی لوگوں کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں جو مردوں کے سننے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ گویا طاغوت کا کفر کرنے کے بجائے طاغوت پرستوں سے ہی چمٹے ہوئے ہیں اور اس طرح جانتے بوجھتے یہ اپنی آخرت ہمیشہ کے لئے برباد کررہے ہیں۔

تیسرا موضوع سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۶: اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ کے حوالے سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ پکارنے والوں کی پکار کو سنتا ہے اور جواب دیتا ہے۔ مقررین نے قرآن و حدیث سے ثابت کیا کہ غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارنا بدترین قسم کا شرک ہے۔ یہ لوگ ان ہستیوں کو مدد کے لئے پکارتے ہیں حالانکہ یہ کبھی بھی نہیں سنا سکتے، ان کے کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ کچھ لوگ اللہ کو تو پکارتے ہیں لیکن مشرکانہ طریقے سے۔ جس طرح مشرکین مکہ واسطے اور وسیلے دیا کرتے تھے، آج یہ نام نہاد امت مسلمہ بھی اللہ تعالیٰ کو براہ راست نہیں پکارتی بلکہ انبیاء اور اولیاء کے واسطے اور صدقے دیتی ہے۔ یہ انداز صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی شدید توہین بھی ہے۔ غضب تو یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے ذکریا صاحب نے "تبلیغی نصاب" "اور اہل حدیثوں کے شاہ اسماعیل نے "تقویۃ الایمان" میں اس مشرکانہ عقیدے کا جواز فراہم کیا ہے۔

فہم القرآن کے اس پروگرام کے بعد صلوٰۃ الظہر اور کھانے کا وقفہ ہوا۔ اس کے بعد لاہور کے ساتھی خالد محمود بخاری نے جیب حدیث پر تقریر کی اور قرآن سے ثابت کیا کہ اطاعت رسول ﷺ فرض ہے۔ قرآن مجید کی تشریح و تعلیم رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری تھی۔ قرآن مجید کے علاوہ احادیث بھی وحی ہیں کیونکہ ہر نبی پر کتاب کے علاوہ بھی وحی کا نزول ہوتا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآنی اصطلاحات و واقعات کی تشریح حدیث کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے ساتھیوں کو اس فتنہ سے بچنے اور اس کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے جو انکار حدیث کی شکل میں سامنے آرہا ہے۔ یہ لوگ حقیقت میں منکر قرآن ہیں۔ "طلوع اسلام" وغیرہ اسی کے رسالے ہیں۔

اس کے بعد ساتھیوں میں باہمی تعارف ہوا اور پھر صلوٰۃ العصر کے بعد اختتامی کلمات ہوئے۔ کل پاکستان طلباء کے ناظم کیپٹن ارشد بھٹی صاحب نے سورۃ العصر کے حوالے سے نوجوان ساتھیوں کو بتایا کہ اگرچہ یہ قرآن کی مختصر سورہ ہے لیکن مفہوم کے لحاظ سے علم کا ایک سمندر ہے۔ خسارے اور نقصان سے بچنے کے لئے اس میں چار چیزوں پر زور دیا گیا ہے: ایمان خالص، عمل صالح، حق کی تبلیغ اور اس پر آنے والی آزمائشوں پر صبر۔ لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج یہ امت عمل صالح بھی کرنے کی کوشش کرتی ہے، تبلیغ میں بھی مصروف ہے اور اس راستے میں کافی تکالیف بھی اٹھا رہی ہے، لیکن پہلی چیز جو ان آخری تین چیزوں کو مؤثر یا غیر مؤثر بناتی ہے، یعنی "ایمان خالص" اس کی آج کسی کو پرواہ نہیں ہے۔ بڑے بڑے اجتماعات ہوتے ہیں جن میں ساری باتیں ہوتی ہیں لیکن ایمان کی بات سے اس امت کے علماء کو اس قدر چڑ ہے کہ شرک کے خلاف ایک لفظ بھی ان کے منہ سے نہیں نکلتا، حالانکہ امت مسلمہ کی اکثریت کے عقائد و اعمال شرک سے بری طرح آلودہ ہیں اور موجودہ خواری اور پستی کی اصل وجہ شرک ہی ہے۔ اس کو کوئی بیان کرنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ اسے چھپایا جاتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ شرک کے خلاف اٹھنے والی آواز کو دبا دیا جائے۔ ان میں ایک گروہ ہے جو بغیر ایمان کے شریعت نافذ کرنا چاہتا ہے اور دوسرا بغیر ایمان کے فضائل بیان کررہا ہے، اور کوئی ہے جو شرک کرنے والوں کو جہاد کی دعوت دے رہا ہے۔ یہ حال ہے ان فریب کاروں کا۔ اور جن کے پاس طاقت ہے وہ تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ غم تو یہ ہے کہ احساس زیاں جاتا رہا ہے۔ پاکستان کا ایک بازو کاٹ دیا گیا ہے، اندر بھی افراتفری ہے اور باہر بھی آنکھیں دکھائی جارہی ہیں اور اس ملک کے لیڈر ہیں کہ شرک کے سرپرست بنے ہوئے ہیں۔ اس امت کی بدنصیبی کہ اس کو حنفی لیڈر شپ ملی جس کی یہ ہمت کہاں کہ وہ شرک کی نقاب کشائی کرکے اسے مٹانے کی آواز لگائے۔ ایمان خالص کی دعوت اور شرک کا مشن تو ثبت قیادت ہی دنیا کے سامنے لاسکتی ہے۔ امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کا راز اسی میں

مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی قدر کرنے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین

کل پاکستان سالانہ تربیتی اجتماع

ملکی سطح پر ہونے والا یہ دوروزہ اجتماع عام ۲۶ اور ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو مسجد توحید، ڈیرہ جدید (ضلع سرگودھا) میں ہوا، جس میں مختلف علاقوں سے ساتھی شریک ہوئے۔

۲۶ اکتوبر بروز پیر صلوٰۃ الفجر کے بعد سرگودھا کے ناظم ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے سورۃ الحشر کے آخری رکوع کی ابتدائی دو آیات (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ) کے حوالے سے درس قرآن دیا۔

اجتماع کا باقاعدہ آغاز آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد خان صاحب کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ انہوں نے سورۃ الزمر کی ابتدائی آیات کے حوالے سے بیان کیا کہ جس ذی قوت اور دانا رب نے اس کتاب (قرآن مجید) کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے پورے اخلاص کے ساتھ یکسو ہو کر اس کی بندگی اختیار کریں، اور شرک یعنی غیر کی بندگی سے یکسر اجتناب کریں۔ چنانچہ اس کی بندگی کسی آزاد روش کا نام نہیں بلکہ اسی کے اوامر و نواہی کے ضابطہ پابند سے مشروط ہے۔ وہ انسان کی نیت اور اس کے ارادوں سے پوری طرح واقف اور باخبر ہے۔ اس کے یہاں نیت و ارادے کے اخلاص کے ساتھ کیا جانے والا عمل ہی حسن عمل ہے۔ یعنی اس سلسلے میں ایمان و عقیدہ بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ انہوں نے سامعین کو اس بات کا احساس دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین کی بنیاد درست کرنے کی توفیق سے نوازا ہے تو اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اسی بنیاد پر پورے دین کی عمارت تعمیر کریں۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت رسول ﷺ سے تعلق جوڑیں، تربیتی پروگراموں میں شرکت کے ذریعے سیکھیں اور پھر اس پر عمل پیرا ہوں۔

افتتاحی کلمات کے بعد اصول تجوید پر مبنی تعلیمی پروگرام ہوا، جس میں مدرس کے فرائض راولپنڈی کے ساتھی خلیل الرحمٰن صاحب نے انجام دیئے۔ انہوں نے شرکاء اجتماع کو تجوید کے بنیادی اصول سمجھائے اور پھر ان کی روشنی میں قرأت کی مشق بھی کرائی۔

تجوید کے بعد ضلع خانیوال کے ناظم ماسٹر سرفراز احمد صاحب نے سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۶۵ (قُلْ ھُوَالْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ) کے حوالے سے پنجابی زبان میں تقریر کی۔ انہوں نے آیت مذکورہ کی وضاحت میں کتاب و سنت کے مختلف حوالہ جات کی روشنی میں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی اور اس کے تمام تر لوازمات عطا فرمانے کے بعد بندگی کی آزمائش میں ڈالا ہے۔ ہر دور میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے سچے پیروکاروں سے استخلاف و تمکن فی الارض کا وعدہ فرمایا، جبکہ سرکشی و بغاوت کرنے والوں کو عذاب کی وعید سنائی، یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے والے نافرمانوں کو دنیا والوں کی عبرت نگاہی کے لئے مختلف عذابوں کے ذریعے ہلاک کر دیا گیا۔ چنانچہ اپنی آخری کتاب میں گزشتہ اقوام کے احوال و واقعات کے حوالے سے اسی بات کو واضح کیا ہے کہ آخر کب تک بغاوت و نافرمانی کرو گے، وہ اللہ جو تم پر ہر طرح سے عذاب مسلط کرنے پر قادر ہے، اس کے عذاب کا کوڑا تم پر بھی برس کر رہے گا۔ انہوں نے اللہ کی بغاوت اور نافرمانی پر مبنی مختلف واقعات کو بیان کرتے ہوئے موجودہ دور میں امت کی زبوں حالی، پستی و مغلوبیت اور انتشار و افتراق کو عذاب الٰہی کے اسی تناظر میں پیش کیا۔

اس کے بعد سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۴۴ (وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ) پر مبنی فہم القرآن کے پروگرام کے تحت ۲۰ منٹ دورانیے کی چھ تقاریر ہوئیں۔ مقررین نے قرآن و حدیث کے مختلف حوالوں سے آیت مذکورہ کی تشریح کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے ان نوجوان مقررین میں کارکردگی کے اعتبار سے کراچی کے عبدالرؤف، خوشحی صوبہ سرحد کے مظہر شاہ اور فیصل آباد کے رفعت کی تقاریر کو زیادہ بہتر قرار دیا گیا۔

فہم القرآن کے بعد عربی تعلیم کا پروگرام ہوا، جس میں کراچی کے ساتھی منور سلطان صاحب نے مدرس کے فرائض انجام دیتے ہوئے شرکاء اجتماع کو معلم عربی حصہ اوّل کے بعض اسباق کا اعادہ کرایا اور عربی قواعد کی تعلیم دی۔

صلوٰۃ المغرب کے بعد ڈاکٹر عمر خطاب صاحب نے سورۃ یوسف کی آیت نمبر ۳۹ (یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَہَّارُ) کی روشنی میں تقریر کی۔ انہوں نے سورۃ یوسف کا اس کے پس منظر اور پیش منظر کے حوالے سے جائزہ لیتے ہوئے بیان کیا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے جیل کے ساتھیوں کے خوابوں کی تعبیر (جس کی اللہ تعالیٰ نے ان کو تعلیم دی تھی) بتانے سے قبل ان کو جو خطبہ دیا وہ اسی دعوت پر مشتمل تھا جو تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کے سامنے پیش کی کہ اللہ کی بندگی اختیار کرو اور تمام خود ساختہ الٰہان باطلہ کو مسترد کر دو کہ ان کی اللہ وحدہ لاشریک کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔ انہوں نے کتاب و سنت کے حوالوں سے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے مقابلے میں زمین پر براجمان باطل خدائیوں اور انسانوں کے خود ساختہ الٰہوں کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے انسانیت کے اس المیے کو واضح کیا کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی مختار کل ہستی کے مقابلے میں ان کمزور اور بودے سہاروں کو تھامے ہوئے ہے۔

صلوٰۃ العشاء اور کھانے کے بعد امیر محترم نے حاضرین کے سوالوں کے جواب دیئے۔ سوال و جواب کا یہ سلسلہ رات گئے تک جاری رہا۔

۲۷ اکتوبر بروز منگل صلوٰۃ الفجر کے بعد پنجاب کے امیر حکیم محمد رمضان صاحب نے سورۃ الحدید کی آیات ۱۶ تا ۱۹ پر مشتمل درس قرآن دیا۔ انہوں نے مذکورہ آیات کی تشریح میں قرآن و حدیث کے متعدد حوالوں سے سورۃ الحدید کے مرکزی مضمون انفاق فی سبیل اللہ اور صحابہ کرامؓ کے اندازِ بندگی، آخرت کے بارے میں فکرمندی، اللہ کی راہ میں قربانیوں اور آزمائشوں پر صبر و ثبات پر مشتمل، ان کی زندگیوں کے احوال بڑے مؤثر انداز میں بیان کئے اور بتایا کہ قرآن و سنت کی تعلیمات اور ان صادق الایمان ہستیوں کے واقعات میں ہر دور کے اہل ایمان کے لئے سبق ہے، جو ایمان کا مزہ چکھنے کے بعد آخرت کی کامیابی کے لئے سرگرم عمل رہے اور اس راہ کی بے پناہ مشکلات اور قربانیوں پر دل برداشتہ نہیں ہوئے بلکہ استقامت کے ساتھ جمے رہے۔ ان کے دل اللہ کی یاد سے لرز جاتے تھے۔ گویا اللہ سے ڈرنے والے، اللہ کے حکم کے سامنے موم ہو چکے تھے۔

اشراق اور ناشتے کے وقفے کے بعد راولپنڈی (دوم) کے ساتھی محمد اعظم خان صاحب نے سورۃ النور کی آیت نمبر ۵۱ (اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ) کے حوالے سے سمع و طاعۃ کے موضوع پر تقریر کی، اور کتاب و سنت کے حوالوں سے سمع و طاعۃ یا نظم و

ضبط کی اہمیت اور اس سلسلے میں اہل ایمان کی ذمہ داریوں کو واضح کیا۔

اس کے بعد دعوت الی اللہ کے سلسلے میں پندرہ منٹ دورانیے پر مشتمل پانچ تقاریر ہوئیں، جن کے اختتام پر اس حوالے سے ساتھیوں کی اصلاح کے لئے ضروری ہدایات دی گئیں کہ اللہ کے دین کی دعوت پیش کرنے کے لئے کیا انداز ہونا چاہئے اور اس سلسلے میں کتاب و سنت کی تعلیمات سے کیا رہنمائی ملتی ہے۔

دعوت الی اللہ کی تقاریر کے بعد اصول حدیث کے سلسلے میں تعلیمی پروگرام ہوا جس میں مردان (صوبہ سرحد) کے نوجوان ساتھی نور اللہ نے مدرس کے فرائض انجام دیتے ہوئے سامعین کو اصول حدیث کی بنیادی اصطلاحات سے روشناس کرایا۔

۱۲ اکتوبر کو صلوٰۃ الظہر سے قبل اس دوروزہ اجتماع کے اختتام پر امیر تنظیم نے سورۃ الکہف کے دوسرے رکوع کی آیت کے حوالے سے اپنے اختتامی کلمات کے دوران سب سے پہلے رب کائنات کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہم سب کو بڑی تعداد میں اس سالانہ اجتماع میں شرکت کی توفیق بخشی، ساتھیوں نے پوری توجہ اور دلچسپی سے اس میں حصہ لیا اور نظم و ضبط کو برقرار رکھا۔ پھر میزبان اور مقامی ساتھیوں کی محنت اور انتھک کوششوں کو سراہا اور دعائیہ کلمات کے ساتھ ان کی کارکردگی کی تحسین کی کہ گزشتہ سالوں کے مقابلے میں شرکاء اجتماع کی کہیں بڑی تعداد کے باوجود ان کی تمام ضروریات پوری کیں اور جذبہ خلوص و ایثار کے ساتھ میزبانی کا حق ادا کیا۔ اس طرح وہ پورے عزم کے ساتھ مرحوم بزرگ ساتھی اللہ یار کلیار سے کئے گئے وعدے کو بڑی جانفشانی سے نبھا رہے ہیں، جو یقیناً مرحوم کے لئے صدقہ جاریہ اور ان کے ساتھیوں کے لئے اللہ کے یہاں بڑے اجر و ثواب کا باعث ہوگا۔

اس کے بعد انہوں نے سورۃ الکہف کی تلاوت کردہ آیات کی روشنی میں شرکاء اجتماع کو اللہ کے دین کی دعوت کے تعلق سے ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا کہ آپ کو اندازہ ہونا چاہئے کہ یہ مشن کتنا اہم ہے، آخرت کی کامیابی کے لئے اس تحریک کی کیا اہمیت ہے اور اخلاص کے ساتھ اس مشن کا ساتھ دینے والوں کو اللہ تعالیٰ کس طرح حوصلے اور ہمت سے نوازتا ہے کہ بڑی سے بڑی قربانی دینا ان کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ حق و باطل کی کشمکش ازل سے جاری ہے۔ ہر دور میں جواں مردوں نے ہی انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا ساتھ دیا ہے۔ اصحاب کہف بھی ایسے ہی جواں ہمت نوجوانوں پر مشتمل تھے جنہوں نے قوم کی گمراہی اور اس کی سرپرستی کرنے والے اقتدار کے خلاف آواز اٹھائی اور شہادت حق کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، رب کائنات پر اپنے ایمان کا اعلان کیا، جس طرح صاحب یٰسین نے کیا تھا، اور اپنے مفادات اور مستقبل کی پرواہ کئے بغیر راہ حق میں ڈٹے رہے۔ آج بھی اللہ کا دین جواں ہمتی کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ مالک کا احسان ہے کہ اس نے اس اجتماعیت کے ساتھ منسلک ہونے کی توفیق بخشی جو اس مشن کو لے کر اٹھی ہے، جس کا آغاز ماضی قریب میں ایک جواں ہمت بوڑھے (ڈاکٹر عثمانیؒ) نے اللہ کی توفیق سے کیا۔ ہمارے یہ اجتماعات اور تربیتی پروگرام اسی کام کی تیاری کے سلسلے میں ہو رہے ہیں، تاکہ ہماری تعلیم و تربیت کا انتظام ہو، ہم بن بنیں، اس انداز سے سیرت و کردار کی تعمیر ہو جو اس راہ کی سختیوں اور نظم و ضبط سے ہم آہنگ ہو، اس راہ کے مطلوبہ افراد تیار ہوں جن کے اندر وہ ذوق و شوق اور احساس و جذبہ پروان چڑھے جس کا نقشہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی احادیث میں صحابہ کرامؓ کے کردار سے جھلکتا ہے۔ انہوں نے شرکاء اجتماع کو ایسے اجتماعات میں تمام پروگراموں سے بھرپور استفادے کے جذبے سے شرکت کرنے اور پھر اس کام کو آگے پھیلانے کی تلقین کی۔ یہ پروگرام سیر و تفریح کرنے والوں کے لئے نہیں بلکہ اخلاص کے ساتھ دلچسپی لینے والوں کے لئے ہیں، جو نظم و ضبط کے پابند ہوں اور اس مشن کا صحیح معنوں میں ساتھ دینے کا عزم و ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان حقیر کوششوں کو بار آور فرمائے اور اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین

امریکہ میں تیسری سالانہ توحید کانفرنس

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں "توحید کانفرنس" کے نام سے تیسرا اجتماع اس سال (۱۹۹۸ء) ۱۴ اور ۱۵ اگست بروز جمعہ و ہفتہ فلوریڈا کے مشہور شہر میامی میں منعقد ہوا۔ اس مقصد کے لئے میامی ائرپورٹ کے نزدیک ایک ہوٹل میں مناسب انتظام کیا گیا تھا۔ اس اجتماع میں فلوریڈا کے علاوہ ٹیکساس، انڈیانہ اور کینیڈا کے ساتھیوں نے شرکت کی۔ میامی کے ساتھیوں نے اجتماع کے سلسلے میں عمدہ انتظامات کر کے میزبانی کا حق ادا کیا۔ اس دفعہ اجتماع کا جملہ پروگرام ایک ہی عنوان "ایمان اور اس کے تقاضے" کے تحت ترتیب دیا گیا۔

اجتماع کا آغاز صلوٰۃ الجمعہ سے ہوا، جس میں خطابت و امامت کے فرائض انڈیانہ کے ساتھی تحسین خالد صاحب نے انجام دیئے۔ پروگرام کے مطابق صلوٰۃ الجمعہ کی ادائیگی اور طعام کے بعد پہلی تقریر بھی تحسین خالد صاحب ہی کی تھی۔ انہوں نے سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۵ (اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ) کے حوالے سے بیان کیا کہ ایمان کے دعویدار تو دنیا میں بہت پائے جاتے ہیں لیکن اللہ کی کتاب کے مطابق صرف وہی لوگ اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں اور فقط ان ہی کا ایمان اللہ کے نزدیک معتبر ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے بعد پھر کسی شک و ارتیاب کا شکار اور ڈانواڈول نہیں ہوتے، بلکہ یقین و اعتماد اور استقامت سے اس پر جما رہنا اختیار کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی دیکر اس کا عملی تقاضا پورا کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایمان لانے والوں کو اس راہ میں سب سے پہلے ذہنی آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور یہ آزمائش وہ علمی موشگافیاں اور نام نہاد ریسرچ ہوتی ہے جو مولوی اور پیر ہر دور میں نت نئے طریقوں سے ایمان خالص کے مقابلے میں لے کر آتے ہیں اور بسا اوقات یہ ذہنی آزمائش جان و مال کی آزمائشوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہ "ریسرچ" ایمانداروں کو ذہنی طور پر متزلزل کر دیتی ہے اور وہ اس شک میں مبتلا ہو جایا کرتے ہیں کہ ان کا ایمان درست ہے یا یہ "نئی ریسرچ"۔ انہوں نے کتاب و سنت کے حوالوں سے واضح کیا کہ سچے ایماندار ان تمام آزمائشوں سے سرخرو ہو کر نکلتے ہیں اور اپنی منزل یعنی جنت کی لازوال بادشاہی کے حصول کی طرف اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔

پروگرام کے مطابق دوسری تقریر کینیڈا کے ساتھی مصباح الدین صاحب کی تھی جنہوں نے سورۃ المومنون کی ابتدائی گیارہ آیات کی روشنی میں اہل ایمان کے مقام و مرتبے اور ان کے اوصاف کو واضح کیا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں بیان کیا کہ یہ سچے ایماندار جن کو اللہ کی کتاب میں دنیا و آخرت کی کامیابیوں کی بشارت دی گئی ہے، اپنے ایمان کا

تقاضا اسطرح پورا کرتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے عائد شدہ فرائض کو باقاعدگی اور ذوق و شوق سے ادا کرتے ہیں۔ اپنی عبادات میں سنجیدگی اور خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں، ان کی شرائط و لوازم کو ملحوظ رکھتے ہوئے انکی حفاظت کا اہتمام کرتے ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے اپنے رب کی رضا و خوشنودی کے حصول کے طالب رہتے ہیں۔ فواحش و منکرات سے اجتناب کرتے ہیں اور اپنے آپ کو لایعنی، لغو اور بیہودہ باتوں سے بچاتے ہیں اور اس سلسلے میں اللہ کی حدود کی پاسداری کرتے ہیں، سیرت و کردار کو اپنے ایمان اور کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق استوار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ کی کتاب ان ہی سچے اور کھرے کردار کے حاملین کو لازوال جنتوں کا وارث قرار دیتی ہے۔

صلوٰۃ العصر کے بعد میاں (ظہوریڈا) کے ساتھی ارشد ظفر صاحب نے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۰۳ (.....اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا—) کے عنوان سے تقریر کی اور قرآن و حدیث کے مختلف حوالوں سے صلوٰۃ کی اہمیت اور اس سے متعلق مسائل و احکامات کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ صلوٰۃ جیسی اہم عبادت کو بامقصد بنانے کے لئے پوری شرائط و لوازمات کے ساتھ ادا ہونا چاہیے اور اسے بد عقیدہ اور پیشہ ور امام کے پیچھے پڑھ کر ضائع ہونے سے بچانا چاہیے۔ ارشد ظفر صاحب کی تقریر مغرب تک جاری رہی۔ صلوٰۃ المغرب کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا جو کھانے کے دوران بھی جاری رہا۔ بعد ازاں صلوٰۃ العشاء کی ادائیگی کے ساتھ ہی پہلے دن کا پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

۱۵ر اگست بروز ہفتہ صلوٰۃ الفجر کے بعد کینیڈا کے ساتھی زاہد صاحب نے سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی ابتدائی آیات پر مشتمل درس قرآن دیا۔ انہوں نے آیات مذکورہ کی روشنی میں بیان کیا کہ اللہ کی کتاب تخلیق کائنات پر غور و فکر کرنے والوں کو اولوالالباب یعنی عقل والے یا ہوشمند قرار دیتی ہے۔ اس طرح جو لوگ آسمان و زمین کی تخلیق اور ان کے اندر پائی جانے والی نشانیوں پر غور فکر کے لئے دل و دماغ کی صلاحیتیں استعمال کرتے ہیں انہیں حقائق کو سمجھنے کے لئے رہنمائی سے نوازا جاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کے اعتراف کے طور پر وہ بساختہ پکار اٹھتے ہیں رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلاً (اے ہمارے رب! تو نے یہ سب عبث اور بے مقصد نہیں پیدا کیا)۔ ایسے ہی لوگوں کو اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ کی پکار پر لبیک کہنے کی توفیق ملتی ہے، جو اپنے انجام کے بارے میں فکر مند اور اپنے رب کی پکڑ کے احساس سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ یہ اپنے اوقات اللہ کے ذکر اور اس کی بندگی میں لگاتے ہیں اور ہمیشہ اس سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے رہتے ہیں۔ اللہ کے یہاں یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں، حالانکہ دنیا میں ان کو راحت و آرام سے محروم کیا جاتا ہے۔ اللہ کی راہ میں ان کو ایذائیں دی جاتی ہیں اور اپنے گھروں سے دربدر کیا جاتا ہے، مگر آخرت میں ان کے لئے جنتوں کا وعدہ ہے جو ان آزمائشوں کا بہترین بدلہ ہے۔

ناشتے کے وقفے کے بعد شکاگو کے ساتھی محمد یونس صاحب کی تقریر تھی جو ان کی غیر موجودگی میں تحسین خالد صاحب نے کی۔ اس تقریر کا عنوان سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۴۵ تھی۔ چنانچہ کتاب و سنت کے حوالوں کی روشنی میں انفاق فی سبیل اللہ کے اس موضوع کا احاطہ کرتے ہوئے انہوں نے بیان کیا کہ مخلص ایماندار بندے عبادات کے ساتھ ساتھ اپنے رب کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لئے اپنا مال بھی اس کی راہ میں لگاتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق وہی مال فی الحقیقت انسان کا پنا مال ہے جسے وہ اللہ کے حکم کے مطابق زندگی میں اپنے اوپر، اپنے اہل و عیال پر اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اس کے علاوہ باقی بچنے والا مال تو وارثوں کا ہے جس سے وہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اللہ کی کتاب انفاق فی سبیل اللہ کو قرض حسنہ سے تعبیر کرتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ بڑھا چڑھا کر واپس کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنے مومن بندوں کو سات سو گنا تک اس کے اجر کی صورت میں ملے گا۔

اس کے بعد مسلسل چار تقاریر میاں (ظہوریڈا) کے ساتھیوں نے کیں۔ اس سلسلے کی پہلی تقریر عاطف زرین صاحب کی تھی۔ انہوں نے سورۃ آل عمران کی آیات ۱۴ تا ۲۰ کی روشنی میں اللہ کے مومن و متقی بندوں سے مرغوبات نفس کی طرف مائل دنیا داروں کا موازنہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ لوگوں کی اکثریت دنیا میں زن، زر، زمین اور اس طرح کی دوسری مرغوبات کے پیچھے لگی رہتی ہے۔ ان کی تمام تر سعی و جہد اور دوڑ دھوپ انہی کے لئے مخصوص ہوتی ہے، جب کہ اللہ کے متقی بندے اپنی نگاہیں دنیا کی عارضی زندگی اور اس کے لذائذ کے مقابلے میں آخرت کی دائمی زندگی اور اس کی سرمدی نعمتوں پر رکھتے ہیں، جو مرغوبات نفس کی محبت کے مقابلے میں اپنے رب کی رضا و خوشنودی اور اس کی رحمت و مغفرت کے طلبگار ہوتے ہیں۔

دوسری تقریر میں محمد نعیم صاحب نے سورۃ البقرۃ کے پہلے رکوع کے حوالے سے انسانوں کے دو گروہوں کا تقابل پیش کیا۔ پہلا گروہ متقین کا جو اللہ کی لاریب کتاب سے ہدایت حاصل کرنے والا ہے، ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو دنیا کی زندگی میں محتاط روش اختیار کرنے والے ہیں، اللہ پر غائبانہ ایمان لانے کے بعد ہر لحاظ سے اس کا تقاضا پورا کرنے والے اور اس طرح دنیا و آخرت کی فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہونے والے ہیں۔ جب کہ ان کے مقابلے میں دوسرا گروہ ایسے افراد پر مشتمل ہے جو انکار و سرکشی کی روش پر قائم ہیں اور کسی طرح بھی بات ماننے یعنی ایمان لانے پر تیار نہیں۔ انہوں نے اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو اپنی خواہشات نفس کے تابع کر کے قبول حق کے لئے ناکارہ بنا دیا ہے جس کی وجہ سے یہ اللہ کے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔

تیسری تقریر محمد ہارون صاحب نے کی۔ انہوں نے اپنی مختصر تقریر میں سورۃ النساء کی آیات ۳۶ تا ۳۹ کی روشنی میں ایمان لانے کے بعد اس کے تقاضے پورے کرنے یعنی جان و مال کے حوالے سے اللہ کی بندگی کے حق اور معاشرتی زندگی کے حوالے سے ایمانداروں کے فرائض اور ذمہ داریوں کو واضح کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارے ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اپنے والدین، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، ہمسایوں، مسافروں اور معاشرے کے دوسرے مستحق افراد سے اچھا سلوک کریں اور ان کے حقوق پوری طرح ادا کریں۔

اس سلسلے کی چوتھی تقریر عرفان اسلم صاحب نے کی۔ انہوں نے انگریزی زبان میں سورۃ العصر کا مفہوم بیان کیا کہ تیزی سے گزرتا ہوا زمانہ اس بات پر گواہ ہے کہ قافلۂ انسانیت خسارے سے دوچار ہونے والا ہے سوائے ان لوگوں کے جو صحیح معنوں میں ایمان لائے اور ایمان کے مطابق انہوں نے اپنے اعمال کو سنوارا، اللہ کے دین کی دعوت دی اور اس راہ میں آنے والی مشکلات اور آزمائشوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ اس سلسلۂ تقاریر کے آخر میں

باقی صفحہ ۴۷ کالم ۳ پر

سلسلۂ سوال و جواب

ترتیب: انیس الدین

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانیؒ

سوال: جو لوگ آپ کے ساتھ شامل نہیں ہیں کیا وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہیں کہ نہیں؟

جواب: جو لوگ ہمارے ساتھ شامل نہیں اگر ان کا ایمان صحیح ہے، ان کا عقیدہ قرآن و حدیث کے مطابق ہے اور وہ قرآن کے اوپر چلتے ہیں تو وہ بالکل مومن ہیں، لیکن آج کی زندگی میں ضروری ہے کہ دین کا وہی پیمانہ ہو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا تھا جو اللہ کی کتاب بیان کرتی ہے کہ ایمان لائیں اور ایمان کے رنگ میں رنگ کر دین کی صحیح دعوت دیں۔ اس دعوت میں وہی چیز ہو جو پیغمبروں کی دعوت میں تھی: اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے دور ہو جاؤ) یعنی دعوت کی یہ اصل بنیاد ہو کہ اللہ کے بندے بن جاؤ اور اس کی بندگی کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو، طاغوت کی بات ماننے کے بجائے اس کا کفر کر کے اس کے دشمن بن جاؤ۔ اس دعوت کی حامل اگر کوئی جماعت ہے جو ایمان کے سارے تقاضے پورے کر رہی ہے تو وہ ہمارے ساتھ مل جائے یا ہمیں معلوم ہو جائے تو ہم خود اس سے ملنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن ابھی تک تو ایسی جماعت معلوم نہیں ہو سکی ہے بلکہ سب کے سب اللہ کے دشمن اور طاغوت کے پجاری نظر آتے ہیں۔ اس لئے ہم ان سے ملنے کی بجائے ان کو بھی طاغوت کا ہمدرد سمجھتے ہیں، کافر اس لئے مانتے ہیں کہ مالک فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ جو طاغوت کو اپنا ولی مانے یا رہنما سمجھے اور اس کو دوست بنائے تو اللہ ان پر کافر ہونے کا فتویٰ لگاتا ہے۔ ہماری اس سرزمین پر آج جو لوگ پائے جاتے ہیں جو کہ ایمان کے دعوے دار بھی ہیں ان میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو اپنے آپ کو کسی نہ کسی جماعت سے منسوب نہ کرتا ہو۔ آپ کے سامنے ان جماعتوں کے سارے عقائد آ چکے ہیں، ان میں کوئی بھی مومن نہیں۔ ہاں اگر کوئی گروہ ایسا اٹھتا ہے جو قرآن و حدیث کے مطابق ایمان لاتا ہے، طاغوت کا کفر کرتا ہے تو وہ ہمارے سر کا تاج ہے ہم اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلیں گے اور موقع آیا تو رکاب ہاتھ میں لے کر چلیں گے، مگر اس وقت کوئی جماعت ایسی نظر نہیں آ رہی جو اس انداز سے دین کا کام کر رہی ہو۔

سوال: اللہ اپنے نبی پر کس طرح درود بھیجتا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: عربی زبان و ادب کے لحاظ سے ایک ہی بات جو بندے کے لئے بھی آئے اور اللہ کے لئے بھی تو دونوں کے معنوں میں فرق ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا کہ میرے بندو! اللہ کی طرف پلٹو اس سے توبہ کرو اپنی خطاؤں کا اظہار کرو ندامت اور شرمندگی کے ساتھ، اس مالک سے وعدہ کرو کہ اس کام کو میں نے چھوڑ دیا ہے، اس کام کو دوبارہ نہ کروں گا۔ انشاء اللہ۔ یہ وہ توبہ ہے جو بندے کے لئے ہے اور سورۃ البقرۃ میں ہے کہ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ تم تو صرف توبہ کرتے ہو وہ تو ہوا "توّاب" ہے، بہت توبہ کرنے والا ہے۔ تو دیکھا یہ لفظ اللہ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اور اللہ کے بندوں کے لئے بھی، مگر معنوں میں کتنا فرق ہے۔ بندہ اپنے کئے پر نادم ہوتا ہے، اعتراف گناہ کرتا ہے اور اللہ سے معافی مانگتا ہے، اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، اللہ کا توبہ قبول کرنا ہی اس کا "تواب" ہونا ہے۔ بالکل اسی طرح سورۃ الاحزاب کی آیت کا معاملہ ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلاۃ بھیجتے ہیں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا اے مومنو! تم بھی نبی پر صلوٰۃ و سلام بھیجو۔ تو یہاں بھی عربی کا وہی قاعدہ ہے کہ ملائکہ بھی اللہ کے بندے ہیں اور مومنین بھی۔ جب یہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ "اے اللہ محمد پر رحمتوں کی بارش کر" کہتے ہیں تو یہ توحید کے متعلق اور شرک کے رد میں بڑی دلیل ہے کیوں کہ اہل کتاب یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا کر شرک کیا ہے۔ یہ دعا کعب بن عجرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنھما وغیرہما کی احادیث میں کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ آئی ہے۔ تو بتایا کہ اے مومنو! نبی کے لئے ہم سے رحمت کی دعا کرو اور فرشتے بھی دعا کرتے ہیں اور جب ہم دعا کرتے ہیں کہ مالک محمد ﷺ پر رحمت فرما تو اس سے فوراً سمجھ میں آ جاتا ہے کہ نبی ﷺ اللہ کے ساتھ شریک نہیں ہیں۔ اگر وہ اللہ کے ساتھ ساجھی ہوتے تو ان کو رحمت کی کیا پروا ہوتی۔ ہم جو ان کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے بزرگ بندے اور برگزیدہ نبی تھے وہ بھی اللہ کی رحمت کے مستحق اور محتاج ہیں۔ اور جو اللہ کے لئے آیا ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جب فرشتے اور مومنین دعا کریں گے تو اللہ تمہاری اس دعا کو قبول کرے گا اور ان پر رحمتوں کی بے شمار بارش برسائے گا۔ اسی سورۃ الاحزاب کی ایک دوسری آیت ہے: هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ "مومنو! اللہ ہی ہے جو تمہارے اوپر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تمہارے اوپر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ یہاں بھی وہی معنی ہیں کہ جب ایمان والے اللہ کی راہ میں چوٹیں کھاتے ہیں تو فرشتے ان کیلئے اللہ سے دعائیں کرتے ہیں کہ مالک ان پر رحمتوں کی بارش برسا دے۔ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ کسی تاریکی میں پھنس جائیں تو مالک انہیں نور کی طرف لے

آ، تو اللہ ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے اور اپنے ان بندوں پر رحمت نازل فرماتا ہے۔ اب دیکھئے اللہ اور اس کے فرشتوں کا اللہ کے نبی پر صلوٰۃ بھیجنے کا مضمون ہے تو یہی بات سارے مومنوں کیلئے بھی ہے۔ اللہ کے نبی اور تمام مومنوں پر صلوٰۃ بھیجنے کے معنی یہی ہیں کہ جب بندہ اللہ سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا اور ان پر رحمت فرماتا ہے۔

سوال: عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور نزول کے متعلق فرمائیں اور یہ بھی بتائیں کہ وہ کس حیثیت سے آئینگے کیوں کہ بطور نبی تو وہ آ نہیں سکتے؟

جواب: قرآن میں سورۃ آل عمران اور سورۃ النساء وغیرہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے کا ذکر ہے۔ قرآن میں ہے کہ اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ "قرآن جو ہم نے آپؐ پر اتارا ہے تو آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ دنیا والوں کے سامنے اس کی تشریح و تفسیر کردیں اور اس کے جو معنی ہیں اس کی تبیین کردیں۔" قرآن میں عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اور حدیث میں اس کی تفصیل آئی ہے۔ قرآن میں مالک یہودیوں کی شرارت پر پکڑ کرتا ہے: وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْیَمَ بُهْتَانًا عَظِیْمًا فرمایا کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے یہودیوں کے بڑے بڑے علماء جو حق کو جانتے ہیں لیکن اسے قبول نہیں کرینگے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتابوں توریت اور انجیل کا کفر کیا، اللہ نے اپنی کتابوں میں اپنی بندی مریم کی پاک دامنی کو واضح کیا لیکن ظالموں نے اس سے پہلے بھی عیسیٰ کی پیدائش پر بہتان طرازی کی۔ اس کو اللہ نے بہتان عظیم قرار دیا ہے اور ان کی پاک دامنی کو واضح کیا ہے جو قیامت تک تلاوت کی جاتی رہے گی کہ وہ کنواری خاتون تھیں۔ دوسری بات یہ کہ ان کا کہنا کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ انہوں نے پوری کوشش کرکے غداری وبغاوت پر ابھارنے کے الزامات لگاکر رومی گورنر کے ذریعہ پھانسی کا حکم تو لگوایا پھر بڑے فخر سے اعلان کیا کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو قتل کردیا اور یہ بھی کہا کہ عیسیٰ ابن مریم کو ہم رسول اللہ مانتے ہیں چونکہ انہوں نے ہمارے خلاف اپنی زبان بند نہیں کی اس لئے ہم نے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ لہٰذا ہوشیار ہوجاؤ ہمارے کسی معاملے میں دخل نہیں دینا۔ مالک اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ وَمَا قَتَلُوْهُ انہوں نے ان کو ہرگز قتل نہیں کیا۔ ان کے قتل کی بات جھوٹ اور افتراء ہے۔ وَمَا صَلَبُوْهُ اور جو عیسائی کہتے ہیں کہ انہیں صلیب پر چڑھایا گیا ہے اس طرح سے وہ اپنے ماننے والوں کے لئے کفارہ بن گئے ہیں یہ بات بھی بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔ یہ دونوں گروہ ظالم ہیں۔ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ اصل بات یہ کہ اللہ نے اپنی مشیت کو پورا کرنے کیلئے ایسے حالات پیدا کردئے کہ معاملہ مشتبہ ہوگیا۔ اس طرح یہودیوں اور عیسائیوں دونوں میں سے کسی کو بھی صحیح بات معلوم نہیں۔ محض ظن سے کام لے رہے ہیں۔ وَاِنَّ الَّذِیْنَ ... لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ... وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا فرمایا کہ ان دونوں گروہوں کے پاس کوئی حقیقی بات نہیں، نہ ان کے پاس حق ہے، یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کردیا گیا یا صلیب دے دی گئی، سچی بات یہ ہے کہ وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا وہ انہیں قتل نہیں کرپائے ہیں بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا ہے۔ یہ واقعہ چونکہ کائنات میں ایک ہی دفعہ واقع ہوا ہے اس وجہ سے لوگ اس میں شک کریں گے کہ یہ ناممکن ہے۔ اللہ کی بات کو جھٹلانے کے لئے دلیل دیں گے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا ہے کہ اللہ کسی کو زندہ اٹھالے۔ تو مالک فرماتا ہے وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا اللہ کو پورا اختیار ہے جو چاہے کرسکتا ہے، اس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے، وہ نہایت زبردست اور حکمت والا ہے، اس نے اسی میں حکمت سمجھی اور عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اور نہیں ہے ان اہل کتاب میں سے کوئی اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا کیونکہ موت تو ان کو بہرحال آنی ہی ہے۔ جنہوں نے ان کا اٹھایا جانا جھوٹ سمجھا تھا وہ بھی یقین لے آئینگے اور جنہوں نے ان کا قتل کیا جانا سچ سمجھا تھا وہ بھی اور جنہوں نے یہ سمجھا تھا کہ عیسیٰ ابن مریم صلیب پر جان دے کر ان کا کفارہ بن گئے وہ سب یقین لے آئیں گے کہ ہماری بات غلط اور جھوٹی تھی۔ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ نے ان کو اٹھالیا تھا، اب واپس آگئے ہیں۔ اور بخاری و مسلم کی حدیث میں ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی کہ اس سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام ایک عادل، امت کے امام بن کر آئینگے اور اس کے بعد دنیا سے کفر و شرک بالکل ہی ختم ہوجائے گا، کوئی کافر و مشرک باقی نہیں ہوگا، اس لئے جزیہ ختم کردیا جائے گا، جب کافر ہی نہیں تو جزیہ کس سے لیا جائے، سب مومن ہوجائیں گے جو ایمان نہیں لائیں گے تو وہ قتل کردئے جائینگے، صلیب موجود نہیں ہوگی، کیوں کہ عیسائیوں کا زور ختم ہوچکا ہوگا، ان کو دیکھنے کے بعد سب ایمان لے آئینگے یا جو ایمان نہیں لائینگے وہ قتل کئے جاچکے ہوں گے، خنزیر اپنا ہوجائے گا، اس زمانے میں ایمان کی ایسی قدر و قیمت ہوگی کہ اگر ایک ایماندار سے کہا جائے کہ دنیا المال اور سارا خزانہ لے جاؤ تو وہ کہے گا کہ میری نگاہ میں اس کی حیثیت اس مچھر سے بھی کم ہے جو میں اللہ کی بارگاہ میں کررہا ہوں۔ بخاری و مسلم نے یہ روایت لاکر بتلایا کہ اس آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ... مَوْتِهٖ کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام امیر و منصف کی حیثیت سے پھر آئیں گے۔ عیسیٰ کا جو مہدی منتظر ہے وہ نہیں ہوگا۔ بخاری کی دوسری حدیث میں اور مسلم میں بھی ہے کہ مسلمانوں کا امیر ساری دنیا فتح کرچکا ہوگا، اور دجال باقی رہ گیا ہوگا۔

مسلمانوں کا امیر عیسائیوں کی آخری طاقت کو توڑے گا۔ مزید بتایا گیا کہ ایک ایسا شہر ہے جو آدھا خشکی کے اندر ہے اور آدھا پانی کے اندر۔ قسطنطنیہ اس کا نام ہے جو آج خشکی میں ہے۔ اس کے اوپر مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان آخری معرکہ ہوگا اور اس میں مسلمان کوئی اسلحہ استعمال نہیں کریں گے، صرف تین نعرے ہوں گے: اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ۔ ایک نعرے سے ایک طرف جو ان کے معبد ہیں وہ برباد ہوجائیں گے اور دوسرے نعرے سے دوسری طرف اور تیسرے نعرے سے شکست ہوجائے گی۔ اور مسلمان جہاد فی سبیل اللہ کے بعد مال غنیمت جمع کررہے ہونگے اور انہوں نے اپنے وہ اسلحے نکالے ہوں گے جنہیں استعمال کرنے کا موقع ہی نہیں ملا ہوگا، کہ اتنے میں یہ خبر آجائیگی کہ شام میں دجال کا وہ فتنہ جس کے متعلق نبی علیہ السلام نے بتایا تھا کہ اٹھے گا، اور اللہ کے نبی نے اپنی قوم کو اس فتنہ سے آگاہ کیا تھا، وہ دجال کا فتنہ سر اٹھاچکا ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ دجال کے حملے کی خبر سن کر یہ لوگ سب کچھ یعنی مال غنیمت چھوڑ کر واپس لوٹیں گے کیوں کہ اب ایمان پر معاملہ ہے۔ پہنچنے کے بعد معلوم ہوگا کہ یہ خبر غلط تھی۔ اس کے کچھ دنوں بعد دجال کا حملہ ہوگا اور یہ مسلمان اس کے مقابلے کے لئے اپنے امیر کی سالاری میں مقابلہ کرنے کے لئے انتظامات کررہے ہونگے کہ صلوٰۃ کا وقت آجائے گا۔ ایک جماعت کھڑی کی جائے گی تو اسے

میں وہی جو حدیث میں آیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے مشرقی مینارے سے دو فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے۔ ایسا معلوم ہوگا کہ دیباس سے نہا کر ابھی نکلے ہیں۔ دیباس کہتے ہیں حمام کو۔ ان کے بالوں سے موتیوں کی طرح قطرے ٹپک رہے ہونگے۔ مسلمانوں کا امیر پہچان کر ان سے کہے گا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، واپس آئے ہیں تو میرے جائے آپ امامت کیجئے۔ وہ کہیں گے کہ نہیں بعض تم کو زیادہ حق ہے تو پہلی امامت وہی کرائے گا۔ ان کا یہ کہنا یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ میں نئی شریعت لے کر نہیں آیا، نبی ضرور ہوں کیونکہ نبوت چلی نہیں گئی، زندہ ہوں، وفات بھی نہیں ہوئی ہے، لیکن میں آخری نبی کی شریعت کا تابع ہو کر آیا ہوں اس لئے پہلی صلوٰۃ وہ مسلمانوں کے امیر کے پیچھے پڑھیں گے، اور اس کے بعد سارے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ پھر دجال کے ساتھ جنگ کریں گے اور اس کو قتل کریں گے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں آتا ہے کہ ایسی جنگ ہوگی کہ اس میں دجال مارا جائے گا، اور اس کے جو ساتھی ہونگے جن میں ستر ہزار ایران کے شہر اصفہان کے یہودی ہوں گے۔ شکست کھانے کے بعد یہ لشکری پناہ کے لئے درختوں اور پتھروں کے پیچھے چھپیں گے تو ہر درخت اور ہر پتھر پکار اٹھے گا۔ بخاری کی دو حدیثوں میں ہے کہ ایک میں "یا مومن" اور دوسری میں "یا مسلم" کے الفاظ آئے ہیں۔ درخت و پتھر پکار کر کہیں گے: تعال یہودی ورائی کہ آ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔ سوائے ایک غرقد کے درخت کے جو اہل کے درخت کی طرح ہوتا ہے۔ مدینہ میں بقیع کے قبرستان میں وہ درخت تھا، اس لئے اسے بقیع غرقد کہا جاتا تھا، اب وہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے ایک درخت ہے جس کے پیچھے یہودی چھپے ہوں گے جو اعلان نہیں کریگا۔ یہاں تک کہ سب کو ختم کر دیا جائیگا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے اور پھر دنیا میں دوبارہ واپس آنے کے متعلق یہ سب کچھ اللہ کے نبی ﷺ نے بتایا ہے جو بخاری اور مسلم کی احادیث میں تفصیل سے درج ہے۔

سوال: سورۃ النساء میں آتا ہے کہ اگر کوئی اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے تو اسے رسول کے پاس حاضر ہو کر مغفرت کی دعا کی درخواست کرنی ہوگی۔ وضاحت فرمائیں کہ اس حکم سے کیا مراد ہے؟

جواب: وہ آیت ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء ۶۴) "اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت مانگتے اور اللہ کا رسول بھی ان کیلئے مغفرت طلب کرتا تو اللہ کو معاف کرنے والا اور مہربان پاتے۔" یہ نبی ﷺ کی زندگی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی روش بتا کر اس کی توبہ کا انداز بتایا ہے کہ یہ منافق ہیں جو آپ پر ایمان کے دعویدار بھی ہیں لیکن منافقت کا عالم یہ ہے کہ ان کو کوئی مسئلہ پیش آجائے تو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ کے پاس فیصلہ کروانے آئیں گے تو ان کے خلاف فیصلہ پڑے گا۔ تو یہ ایسے ظالم ہیں کہ اپنے بتوں کے پاس چلے جاتے ہیں فیصلہ کروانے کے لئے! گویا کہ زبان سے ایمان کا اقرار کر کے یہ آپ ﷺ کی توہین کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اس لائق نہیں مانتے کہ آپ ﷺ جو فیصلہ کریں اس پر یہ راضی ہو جائیں۔ تو مالک نے فرمایا کہ اگر ان میں سے کسی نے یہ کیا اور اب اس کو توبہ کی توفیق ملے تو پہلی چیز تو یہ کہ اللہ سے توبہ کرے اور دوسری بات یہ ہے کہ جو اس نے سلوک کیا ہے اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کو حکم ماننے کے بجائے ان منافقوں کو یا یہودیوں کے سرداروں کو حکم مانا ہے، ان کا فیصلہ مانا ہے، تو ایمان کا جھوٹا اقرار کر کے صاف نبی ﷺ کی توہین کی ہے، لہٰذا جائیں ان کے پاس اور ان سے کہیں کہ میں نے آپ کو توہین کی ہے کہ فیصلہ کروانے کے لئے ان منافقوں یا ان یہودیوں کے طاغوتوں کے پاس گیا ہوں اور اب میں اللہ سے توبہ کرتا ہوں، آپ بھی اللہ سے میرے لئے مغفرت کی درخواست کیجئے! اللہ نے فرمایا تب کہیں جا کر تمہاری توبہ قبول ہوگی۔ تو یہ بات نبی ﷺ کے لئے ان کی زندگی تک مخصوص تھی۔ لیکن اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ان قبر پرستوں نے کہ اب نبی ﷺ کی قبر پر جانا چاہئے اور ان سے مغفرت کی دعا کی درخواست کرنی چاہئے۔ تو ان سے کہئے کہ اس سے پہلے نبی ﷺ کو قبر میں زندہ مان کر قرآن کا منکر بننا پڑے گا۔ پھر ایک جھوٹی روایت لائے کہ ایک بدو آیا اور اس نے یہ آیت پڑھی اور اس کے بعد وہ آپ ﷺ کی قبر پر گر پڑا اور کہا کہ اللہ نے کہا ہے کہ جو اپنی جان پر ظلم کرے تو اللہ سے استغفار کرے اور نبی ﷺ بھی اس کے لئے استغفار کرے تو میں اپنی جان پر ظلم کر کے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا ہوں، آپ ﷺ میرے لئے استغفار کریں، تو اندر سے آواز آئی کہ تجھے معاف کر دیا گیا۔ تو یہ بالکل جھوٹی روایت ہے۔ "یہ مزارِ یہ میلے" میں پوری سند لکھ کر اس کا جھوٹا ہونا میں واضح کر چکا ہوں۔ قبر پرستی کا شرک پھیلانے کے لئے اس طرح کی جھوٹی روایتیں بنائی گئی ہیں اور امت کو قبر پرستی کے شرک میں مبتلا کر کے اللہ کے عذاب کو دعوت دی گئی ہے۔

بقیہ قافلہ بے رواں تواں

ننھے ساتھی اور ارشد ظفر صاحب کے فرزند عثمان عبداللہ نے بھی مختصر مگر پرجوش تقریر کی، جس میں انہوں نے فرمانِ رسولؐ کے خلاف پختہ قبروں اور مزارات کو خرابی کی جڑ قرار دیا، جہاں جا کر لوگ قبر والوں کو حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارتے ہیں یا اپنی دعاؤں میں ان کو واسطہ اور وسیلہ بناتے ہیں، جو شرک ہے۔

اس کے بعد حسین خالد صاحب نے پاکستان میں دعوتِ دین کے تعلق سے مختصر رپورٹ پیش کی جس کے بعد ایک دوسرے نو عمر ساتھی، ٹیکساس سے آنے والے عمران قیصر صاحب کے فرزند نوفل نے اپنی مختصر تقریر میں بتایا کہ انسانیت کی فلاح فقط اس بات میں مضمر ہے کہ اللہ پر سچا اور کھرا ایمان لایا جائے اور اس کی ذات و صفات اور حقوق و اختیارات وغیرہ میں کسی انداز سے بھی کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ کھانے اور صلوٰۃ العشر کے وقفے کے بعد شرکاء اجتماع کے درمیان آئندہ اجتماع اور اس کے پروگرام کے تعلق سے باہمی مشاورت اور گفت و شنید ہوئی، جس کے بعد یہ دو روزہ اجتماع ارشد ظفر صاحب کی تقریر پر اختتام پذیر ہوا۔ انہوں سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۱۹ (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ) کے حوالے سے شرکاء اجتماع کو اعمال اور روزمرہ زندگی کے معاملات کی اصلاح اور اس سلسلے میں تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی تاکہ ہماری زندگیاں کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق اسلامی سانچے میں ڈھلتی چلی جائیں۔ ہمارا ایمان ہمیں خود احتسابی کی طرف مائل رکھے تاکہ ہماری کمزوریوں کی اصلاح ہوتی رہے اور اس طرح ہماری سیرت و کردار کی تعمیر تقوے کی بنیاد پر ہو اور ہمارے باہمی تعلقات بھی اسی بنیاد پر اخلاص سے عبارت ہوں۔

یہ اجتماع مجموعی طور پر کافی بہتر رہا۔ شرکاء کی تعداد بھی گزشتہ اجتماعات کے مقابلے میں حوصلہ افزا رہی۔ آئندہ اجتماع کے بارے میں باہمی مشاورت سے طے پایا کہ وہ انشاء اللہ ۲۷ اور ۲۸ اگست ۱۹۹۹ء کو ہیوسٹن (ٹیکساس) میں ہوگا۔

دینِ خالص

عرب سے بہا تھا جو دریائے نور
بالآخر ہوا اس میں پیدا فتور
وہ دریائے خالص تو گم ہوگیا
تصوف کے صحراؤں میں کھوگیا
وہ قرآن و سنت کا سادہ سا دیں
نہ جانے کہاں ہے؟ یہاں تو نہیں
یہاں بدعتوں کی تو بھرمار ہے
یہ سنت پہ چلنا بھی اِک عار ہے
نبیؐ نے کہا: "دین آسان ہے"
مگر اپنے مذہب کی یہ شان ہے
ولادت سے انساں کی لے تا وفات
یہاں سے وہاں تک دو صد مشکلات
اذان آکے بچے کو ملّا سنائے
وہ پیسے بھی لے اور مٹھائی بھی کھائے
عقیقے پہ دعوت کا ہو اہتمام
نہ بیٹھا ہو شامل، وہ کیسا طعام؟
جو بچے کے پورے ہوئے چار سال
تو "بسم اللہ خوانی" کا ہوگا خیال
لیا جبکہ بچے نے اللہ کا نام
تو کیا جشن کا بھی نہ ہو اہتمام!

مسرت کے موقع پہ کیوں خَل ہو
سبھی دل کے ارمان پورے کرو
پھر ایسے مواقع پہ میرے عزیز
صحیح و غلط کی بھی کیسی تمیز؟!
سو غیروں کی رسمیں بھی اپنائی ہیں
خدا کی، کہ ہندو ہیں، عیسائی ہیں!
یہ منگنی کی، شادی کی بے جا رسوم
ہیں آخر سبھی ہندوانہ رسوم
یہ مہندی کی بیہودہ رسمیں تمام
حیاداریو کا کریں قتلِ عام
یہ بارات کی ایک گھر پر چڑھائی
دلہن جیت لانے کی ہے یہ لڑائی
عجب لڑکی والوں پہ ہے یہ دباؤ
کہ بیٹی بھی دو اور ڈنر بھی کھلاؤ
یہی بس نہیں، اب دلاؤ جہیز
فرج، کار، ٹی وی کہ اِک عکس ریز
یہ دولہا کا سہرا، یہ کیسا نقاب؟
ہے بے پردہ زن، مرد اندر حجاب!
خبر بھی ہے کچھ اے جہول و ظلوم
کبائر میں شامل ہیں ایسی رسوم

تمدن میں ہم ہیں جو مثلِ ہنود
تو فیشن میں مثلِ نصاریٰ و یہود
کہ تہذیبِ مغرب جو اپنائی ہے
فرنگی کی ہر ہر ادا بھائی ہے
جو ہر سال یومِ ولادت مناؤ
تو پھر برتھ ڈے پارٹی بھی سجاؤ
کٹے کیک، اوپر سے شمعیں تھمیں
بجیں تالیاں اور تحفے ملیں
یہ داڑھی منڈانا ہے کس کا شعار؟
یہ مونچھیں بڑھانا ہے کیا افتخار؟
یہ قولِ نبیؐ ہے کہ داڑھی بڑھاؤ
کترواؤ مونچھوں کو، چھوٹی کراؤ
یہ بے پردگی، نیم عریاں لباس
ہوا عورتوں کی حیا کا یہ ناس!
تراشیدہ لہجہ، یہ مردانہ بال
تصنع تکلف ہے جاں کا وبال
یہ ہاتھوں کے ناخن بڑھانے کی ریت
ہے انساں کی یا درندوں کی جیت
خواتین کے ہونٹ ہیں لال یوں
کہ بلّی کے ہونٹوں پہ چوہے کا خوں!

یہ "تہذیب" انساں کو حیواں بنائے
کھڑے ہوکے موتے، کھڑے ہوکے کھائے!
ذرا اب ہو ذکر رسومِ وفات
یہاں بدعتوں کی ہے گویا برات!
کسی گھر میں ہوجائے میت اگر
تو بس آ گیا چکروں میں وہ گھر
کہ تیجے پہ، قل فاتحہ بھی کراؤ
سبھی دوستوں کو کھلاؤ پلاؤ
ہو سادہ سا دسواں کہ بیسواں
مگر دھوم سے ہوگا چالیسواں
جو ہر سال برسی کرو، خوب ہے
اسے چھوڑ دینا تو معیوب ہے
وہ دینِ مکمل، سراپا عمل
وہ اخلاص و تقویٰ میں ضرب المثل
وہ اب رہ گیا چند رسموں کا کھیل
ریاکاریوں کی یہاں ریل پیل
الٰہی! ملاوٹ سے ہم کو بچا
ہمیں دینِ خالص پہ اپنے چلا
الٰہی! پھر اسلام کو آب دے
ہمیں عائشؓ لنِ خطاب دے

آسیؔ جوناگڑھی

اسلام اور جمہوریت

اسلام اور جمہوریت دو مختلف اور باہم متخاصم نظریات ہیں۔ اسلام ایک آفاقی نظریہ ہے، جو اللہ کی طرف سے انسانوں کے لئے مکمل ضابطہ حیات کے طور پر، اس کی بے پایاں نعمت کا مظہر، ایک پسندیدہ دین یا راستہ ہے (المائدۃ: ۳)۔ اللہ کی لاریب کتاب بیان کرتی ہے کہ "اللہ کے نزدیک دین (انسانوں کو انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کے لئے رہنمائی فراہم کرنے والا طریقہ یا راست) تو فقط اسلام ہے۔" (آل عمران ۱۹) جو انسانیت کی فطری ضروریات کا امین اور امن و سلامتی کا راستہ ہے، انسانوں کو ان کے خالق و مالک کا مطیع فرمانبردار اور اس کی طرف سے عائد ضابطے کا پابند بنا کر دنیا و آخرت میں خیر و فلاح کا حقدار بناتا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی دین اسلام کی پیروی کی اور اسی کی طرف لوگوں کو بلایا۔ اللہ تعالیٰ دین اسلام کے مقابلے میں (مفکرین کے نظریات پر مشتمل انسان کے بنائے ہوئے) کسی اور طریقے کو قبول نہیں فرماتا بلکہ غیر اسلامی راستے کے متلاشیوں کو آخرت کے خسارے کی وعید سناتا ہے۔ (آل عمران: ۸۵)

جبکہ جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام کے تحفظ اور فروغ کے لئے انسانوں کا خود ساختہ نظریہ اور نظام حیات ہے، جو خالصتاً انسانی خواہشات کی پیروی کا مظہر، مخصوص مفادات کے تسلط کے لئے جمہور کے نام پر دولت اور نوٹ کا کھیل ہے۔ یہ اللہ کے اختیارات میں اس کی مخلوق کو شریک کر کے اللہ کی حدود کو پامال کرنے والا ایک طاغوتی نظریہ ہے۔ اس لئے کتاب و سنت کے سچے پیروکاروں کی طرف سے جمہوریت جیسے طاغوتی نظریے اور اس کے تحت حکومت سازی کے کھیل میں کسی طرح کی شرکت یا تعاون فی الحقیقت اثم و عدوان کا ساتھ دینے کے مترادف ہوگا۔ جبکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے گناہ و ظلم کے کاموں میں تعاون سے منع فرمایا ہے (المائدۃ: ۲)۔ درج ذیل سطور میں قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں اسلام و جمہوریت کا مختصر موازنہ پیش کیا جاتا ہے:

ترتیب: محمد حسین

اسلام میں	جمہوریت میں
مقتدر اعلیٰ ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے: "حکم تو صرف اللہ ہی کو سزاوار ہے۔" (یوسف: ۶۱) "تمام تر قوت و طاقت اللہ کے پاس ہے۔" (البقرۃ: ۱۶۵)	یہاں حاکمیت اعلیٰ عوام کو حاصل ہوتی ہے اور عوام ہی کو طاقت کا سرچشمہ مانا جاتا ہے۔
قانون سازی اور حلال و حرام کی حدود مقرر کرنے کا اختیار اللہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں۔" (الشوریٰ: ۲۱)	قانون سازی کا مطلق اختیار عوام کے منتخب نمائندوں کو حاصل ہوتا ہے۔
اللہ کی حکومت، اللہ ہی کے لئے، اللہ کے مومن بندوں کے ذریعے۔	عوام کی حکومت، عوام کے لئے، عوام کے ذریعے۔
اللہ کی کتاب کے مطابق لوگوں کی اکثریت گمراہی میں مبتلا ہوتی ہے: "اور اکثر لوگ ایمان لانے کے باوجود شرک بھی کرتے ہیں۔" (یوسف: ۱۰۶) "اور اگر تم نے زمین پر بسنے والوں کی اکثریت کی پیروی کی تو یہ تم کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔" (الانعام: ۱۱۷)	جمہوریت میں اکثریت کے طے کا اصول بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں کثرت رائے سے فیصلے ہوتے ہیں، بالفاظ دیگر جمہوریت کا پہیہ اکثریت کے بل پر ہی گھومتا ہے۔
اللہ کا فرمان: "اے نبیؐ! ان سے پوچھو، کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے، دونوں برابر ہیں؟" (الزمر: ۹) کیا وہ شخص جو مومن ہے، اس آدمی کی طرح ہے جو فاسق ہے؟ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔" (السجدۃ: ۱۸)	جمہوریت میں: دو جاہلوں کی رائے ایک عالم کے مقابلے میں زیادہ وزن رکھتی ہے، اور --- مومن اور کافر کا ووٹ برابر ہے۔
قرآن کا اعلان: "مرد عورتوں پر قوام (نگران) ہیں۔" (النساء: ۳۴) علاوہ ازیں عورتوں کی شہادت اور وراثت میں ان کا حصہ مردوں کے مقابلے میں نصف قرار دیا گیا ہے۔ (البقرۃ: ۲۸۲ / النساء: ۱۱)	یہاں عورت کو ہر اعتبار سے مرد کے مقابلے میں برابری کی حیثیت حاصل ہے۔
رسول اللہ ﷺ کا فرمان: "وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے ملک کا حاکم عورت کو بنا لیا ہو۔" (بخاری: کتاب المغازی)	جمہوریت میں: عورت ملک اور حکومت کی سربراہ ہو سکتی ہے۔
نبی ﷺ نے فرمایا: "ہم کسی ایسے شخص کو حاکم یا والی نہیں بناتے جو اس کی درخواست کرے یا اس کا حریص ہو۔" (بخاری و مسلم)	جمہوریت میں: نہ صرف اپنے آپ کو عہدہ منصب کیلئے پیش کیا جاتا ہے بلکہ اپنی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں اور اپنے مدمقابل کی تضحیک کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اقتدار کی اس رسہ کشی میں لاکھوں روپے ذاتی تشہیر اور اپنے مخالف کو ہرانے کیلئے خرچ کر دیئے جاتے ہیں۔
قرآن فرقہ واریت اور گروہ بندی سے منع کرتا ہے: (آل عمران: ۱۰۵)	یہاں سیاسی پارٹیوں اور نت نئی گروہ بندیوں کی بھرمار ہے۔

مدد کس سے مانگی جائے؟

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ کُنْتُ خَلْفَ النَّبِیِّ ﷺ یَوْمًا فَقَالَ یَا غُلَامُ اِنِّیْ اُعَلِّمُكَ کَلِمَاتٍ اِحْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظْكَ اِحْفَظِ اللّٰہَ تَجِدْہُ تُجَاھَكَ اِذَا سَئَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰہَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّۃَ لَوِاجْتَمَعَتْ عَلَی اَنْ یَّنْفَعُوْكَ بِشَیْءٍ لَّمْ یَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ لَكَ وَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلَی اَنْ یَّضُرُّوْكَ بِشَیْءٍ لَّمْ یَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلَیْكَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَ جُفَّتِ الصُّحُفُ۔

"عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں ایک روز (سواری پر) نبی ﷺ کے پیچھے تھا۔ آپؐ نے فرمایا، "اے لڑکے! میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں۔ تم اللہ کو یاد رکھو گے تو وہ تم کو یاد رکھے گا۔ تم اس کو یاد رکھو گے تو تم اس کو (ہر مُشکل میں) اپنے آگے پاؤ گے۔ اور دیکھو جب بھی تم سوال کرو تو اللہ ہی سے کرنا، اور جب بھی مدد مانگو تو اللہ ہی سے مدد مانگنا۔ اور جان لو کہ اگر ساری اُمّت تمہیں نفع دینے کے لئے جمع ہو جائے تو ہر گز کوئی نفع نہیں دے سکتی مگر جو اللہ نے لکھ دیا اور اگر (سب) جمع ہو جائیں تمہیں تکلیف دینے پر تو تمہیں کوئی تکلیف بھی نہیں دے سکتے مگر جو اللہ نے لکھ دی۔ (تقدیر لکھنے والے) قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور (اس کے) نوشتے سوکھ گئے ہیں۔" (جامع ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ)